دستورِ حیات

کتاب اللہ اور سنت و سیرتِ نبوی کی روشنی میں ایک مسلمان کی زندگی کا مکمل دستور العمل، ہدایت نامہ اور نظامِ زندگی، عقائد، عبادات، اخلاق اور عادات و شمائل کے بارے میں تعلیمات اور اسوۂ نبوی کی وضاحت، اور اصلاح و تربیتِ نفس کے لئے قرآنی و نبوی ہدایات و تعلیمات۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی ۱۸

کتاب اللہ اور سنت و سیرتِ نبوی کی روشنی میں ایک مسلمان کی زندگی کا مکمل دستور العمل، ہدایت نامہ اور نظامِ زندگی، عقائد، عبادات، اخلاق اور عادات و شمائل کے بارے میں تعلیمات و اسوۂ نبوی کی وضاحت اور اصلاح و تربیتِ نفس کے لئے قرآنی و نبوی ہدایات و تعلیمات

ترجمہ کتاب

العقیدۃ والعبادۃ السلوک

تالیف

مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ترجمہ از عربی

مولوی سید سلمان حسینی ندوی

استاد دار العلوم ندوۃ العلماء

مجلسِ نشریاتِ اسلام

۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۲ کراچی ۷۴۶۰۰

مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ • رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ • رکن مجلس انتظامی ومجلس عاملہ دارالمصنفین اعظم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق • رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطۂ عالم اسلامی مکہ معظمہ • رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزیٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی ومدینہ یونیورسٹی
- صدر اسلامی سینٹر آکسفورڈ

نام کتاب ——— دستور حیات
تصنیف ——— مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
طباعت ——— احمد برادرز پرنٹرز، ناظم آباد
ضخامت ——— ۲۴۰ صفحات

ٹیلیفون : ۶۲۱۸۱۷

ناشر
فضل ربی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔ کے۔۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ مصنّف

جامع ومختصر تربیتی واصلاحی کتابوں پر ایک نظر

اور

ایک نئی کتاب کی ضرورت

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

شریعت کی تعلیمات اور دین کے احکام ومسائل کے موضوع پر اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی سے تصنیف وتالیف کا سلسلہ چلا آرہا ہے، اسی کے ساتھ قدرتی طور پر حکومت وتمدن کی ترقی کے نتیجہ میں مسلمانوں کی زندگی میں وسعت وتنوع پیدا ہوتا رہا ہے، اور اسلامی معاشرہ نئے نئے حالات سے دوچار ہوتا رہا، اس کی نت نئی ضرورتیں، امراض اور کمزوریاں مطالبے اور تقاضے، اہل فکر وقلم کے سامنے آتے رہے، ساتھ ہی ساتھ دینی اسلامی کتب خانہ بڑھتا اور وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا، نوبت یہاں تک پہونچی کہ موجودہ دور کا مسلمان نہ صرف یہ کہ اس کا احاطہ نہیں کرسکتا، بلکہ اس کے لئے یہ بھی مشکل ہے کہ اپنی پسند کا انتخاب ہی کرے، یا اجمالی طور پر اس سے نفع اٹھا سکے۔

اسی لئے طبعی طور پر ان حضرات کو جن کو امت مسلمہ کے مسائل سے گہرا تعلق تھا، اور جو مسلم معاشرہ کے صحیح وغلط رجحانات پر عمیق اور حقیقت پسندانہ نظر رکھتے تھے، اور اپنے دور کے مسلمانوں کی اس ذہنی پریشانی، اور طلب وجستجو سے واقف تھے، ایک ایسی رہنما

اور ہمہ گیر قسم کی کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی، جو عبادات و معاملات اور اخلاق و عادات کے باب میں مسلمانوں کے لئے دستور العمل اور گائیڈ بک کی حیثیت رکھتی ہو، یہ ایک ایسی انسانی ضرورت اور فطری تقاضہ تھا جس سے کوئی دور خالی، اور مسلمانوں کی کوئی نسل اور ملک اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا، عہد نبوی میں بھی جو سرتا پا خیر و برکت، اور عالی ہمتی کا زمانہ تھا، اس کی مثالیں ملتی ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:۔

إن شرائع الإسلام قد كثرت علىّ فأنبئني منها بشئ أتشبث به.	یارسول اللہ اسلام کے تفصیلی احکام بہت ہو گئے ہیں، جو مجھ جیسے (عامی آدمی) کے قابو میں نہیں آتے، کوئی ایسی (مختصر بات) بتا دیجئے جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں۔

رسول اکرم و مربی اعظم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعرابی کی بات توجہ سے سنی، بجائے اس کے کہ اس کو ملامت کرتے، اور اس کے اس مطالبہ کو پست ہمتی اور علم دین کی مکمل معلومات حاصل کرنے سے پہلوتہی پر محمول فرماتے، آپ نے پوری شفقت و توجہ سے اس کے اس سوال کا جواب دیا، اور فرمایا:۔

لا يزال لسانك رطبا من ذكر الله عزوجل[1]	خدا کے ذکر سے تمہاری زبان ہمیشہ تر رہے۔

حضرت ابو عمرو (یا ابو عمرہ) سفیان ابن عبداللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ

---

[1] ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب فضل الذکر۔

میں نے عرض کیا :۔

یا رسول اللہ، قل لی فی الاسلام قولا لا أسأل عنه أحداً غیرك۔	اے اللہ کے رسول اسلام کے بارے میں مجھے ایسی بات بتا دیجئے کہ پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

آپ نے فرمایا :۔

قل اٰمنت باللہ ثم استقم۔[1]	ایک مرتبہ (سوچ سمجھ کر اور عزم و فیصلہ کے ساتھ) کہہ دو کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر مضبوطی سے جم جاؤ۔

یہ اور اس قسم کی روایات ان حضرات کے لئے قوی محرک اور ولولہ انگیز بن گئیں، جنھوں نے مسلمانوں کے نفع عام کے لئے ایک جامع کتاب تالیف کرنے کا بیڑہ اٹھایا، جو بقدر امکان ضروری دینی معلومات، روزمرہ کے فرائض و اعمال، اسلامی اخلاق اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی ہدایات پر مشتمل، اور ایک اوسط درجہ کے مسلمان کے لئے کافی اور شافی ہو، اور جس کو زندگی کا دستور العمل بنایا جا سکے۔

اس ضرورت کا جس کو (ہمارے علم و مطالعہ کی حد تک) سب سے پہلے اور واضح طور پر احساس ہوا، اور اس نے اس ضرورت کی تکمیل کے لئے مؤثر علمی قدم اٹھایا، وہ حجۃ الاسلام، ابوحامد محمد بن محمد الغزالی (امام غزالیؒ۔ متوفی ۵۰۵ھ) کی عظیم شخصیت ہے، جنھوں نے اپنی مشہور اور لازوال کتاب "احیاء علوم الدین" (جو عام طور پر احیاء العلوم کے نام سے معروف ہے) تصنیف کر کے ایک اہم اور مفید سلسلہ کا آغاز کیا، انھوں نے یہ کوشش کی

---

[1] صحیح مسلم۔

یہ کتاب طالبین و مسترشدین کے لئے ایک دینی اتالیق اور مربی کا کام دے، اور بڑی حد تک اسلامی کتب خانہ کی نمائندگی اور قائم مقامی کرے، انھوں نے اس میں عقائد، مسائل، تزکیۂ نفس، باطنی تربیت، اصلاحِ اخلاق، اور مرتبۂ احسان، اور اس کے حصول کے طریقوں سے بحث کی ہے، فضائل کی احادیث، وعدوں اور وعیدوں کی آیات و روایات، مؤثر حکیمانہ مواعظ، اور قلب میں سوز و گداز پیدا کرنے والی حکایات کو کتاب میں جگہ دی، اس کا نتیجہ ہے کہ یہ کتاب ایمان، عمل صالح، اور تصفیۂ باطن کے لئے مہمیز کا کام کرتی ہے، روحانی امراض کی نشان دہی کرتی، اور اس کا مناسب علاج تجویز کرتی ہے، اس میں شبہہ نہیں کہ کتاب میں باریک بیں ناقدین کو ان کے فلسفیانہ مطالعہ کے (اگرچہ وہ خود اس کے بڑے ناقد رہے ہیں) اثرات نظر آجاتے ہیں، اور کہیں کہیں ایسی احادیث سے استدلال بھی ہے، جو محدثین ناقدین کے یہاں ضعیف شمار ہوتی ہیں، بعض اور قابلِ تنقید باتیں بھی تلاش کرنے والوں کو مل سکتی ہیں، لیکن اس کے باوجود سب اہلِ نظر اور اہل انصاف کتاب کی تاثیر و افادیت کے قائل و معترف ہیں، حتیٰ کہ علامہ ابن الجوزی[1]، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ[2] جیسے ناقدین نے بھی کتاب کی اہمیت و قدر و قیمت کا کھلے طریقہ پر اعتراف کیا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس کتاب کو جو قبول عام حاصل ہوا، اور اس کے ساتھ دینی و علمی حلقوں میں جو اہتمام برتا گیا، اور جس جوش و خروش سے اس کا استقبال کیا گیا، اور جو شہرت و مرجعیت و اعتماد اس کو حاصل ہوا، وہ صحاح ستہ اور چند دینی کتابوں کو مستثنیٰ کرکے کسی کتاب کے بارے میں نہیں سنا گیا، دنیائے اسلام کے اطراف و اکناف میں نسل در نسل، اور عہد بعہد

---

[1] ملاحظہ ہو علامہ ابن الجوزی کی المنتظم ج ۹ ص ۱۶۹-۱۷۰ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد [2] دیکھئے فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج ۲ ص ۱۹۴

لوگوں نے اس کتاب کو مشعل راہ، اور زندگی کا دستور العمل بنایا۔

امام غزالیؒ کے بعد بھی یہ سلسلہ چلتا رہا، یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) جیسے امام فن، اور نقاد، اور "تلبیس ابلیس" جیسی ناقدانہ اور محتسبانہ کتاب کے مصنف کو بھی اس کی تلخیص و ترتیب جدید کی ضرورت محسوس ہوئی، جس کا نام انھوں نے "منہاج القاصدین"[1] رکھا، بڑے بڑے علماء نے "احیاء العلوم" کی شرحیں لکھیں، اور مختلف طریقوں سے اس کی خدمت کی، حافظ زین الدین عراقی مصنف "الالفیۃ" (الفیۂ حدیث) نے احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج کی، اور ان پر محدثانہ کلام کیا، اور فخر ہندوستان علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی (م ۱۲۰۵ھ) نے بیس جلدوں میں اس کی شرح کی جس کا نام "اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین" رکھا، یہ کتاب حدیث و فقہ و کلام و تصوف میں (احیاء کی شرح کے دائرہ میں رہتے ہوئے) ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کی حیثیت رکھتی ہے۔

احیاء العلوم کی اساس پر سلوک و تربیت کے میدان میں بھی ایک جداگانہ مکتب فکر اور سلسلۂ اصلاح و تربیت بھی وجود میں آیا، جس کو "طریقۂ غزالیہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور جو حضر موت اور بعض دوسرے عرب ممالک میں رائج رہا ہے۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کے طرز پر ایک کتاب فارسی زبان میں بھی تصنیف فرمائی، جس میں سہولت و اختصار، اور عجمیوں کے معیار تعلیم اور ضروریات و حالات کا خیال رکھا، گویا کہ وہ احیاء العلوم کی فارسی میں تلخیص ہے، اس کا نام "کیمیائے سعادت" رکھا،

---

[1] اس کی بھی تلخیص ابن قدامہ مقدسی نے "مختصر منہاج القاصدین" کے نام سے کی ہے۔

اس کتاب کو بھی فارسی داں اور فارسی خواں، دینی طبقوں میں جو اختصار و سہولت کے طالب تھے، قبول عام اور رواج تام حاصل ہوا۔[1]

"احیاء علوم الدین" کے بعد اس تصنیفی رجحان کی آئینہ دار، زمانہ کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کی کامیاب اور مبارک کوشش اور طالبین اصلاح و تربیت اور خاص طور پر ان سالکین و مسترشدین کی رہنمائی کا قیمتی سامان (جنھوں نے کسی مربی و مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، اور جو شریعت و سنت کے مطابق زندگی گذارنا چاہتے ہیں) سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہ (م ۵۶۱ھ) کی کتاب "غنیۃ الطالبین" ہے، کتاب کا اصل نام "الغنیۃ لطالبی طریق الحق عزوجل" ہے اس کتاب کی خصوصیت ہے کہ اس کو امت کے ایک مقبول ترین دینی پیشوا، اور روحانیت کے امام سیدنا عبد القادر جیلانیؒ نے اپنے وابستگان، ارادت مندوں، اور بعد کے آنے والے طالبین صادقین کی خاطر تصنیف کیا تھا، اس میں فرائض و سنن، ان کے آداب، خدا تعالےٰ کی معرفت کے آفاقی و انفسی دلائل و آیات، قرآن پاک و احادیث نبویہ کا عطر، سلف صالحینؒ کے اخلاق فاضلہ و کیفیات عالیہ کے دل آویز اور سبق آموز واقعات جمع کر دیئے گئے ہیں، تاکہ راہ خدا اس کی روشنی میں طے کی جاسکے، احکام خداوندی کی تعمیل کی جائے، اور منہیات سے پرہیز کیا جائے، کتاب میں ایک مسلمان کے لئے طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج وغیرہ کے ضروری احکام، اور کتاب و سنت اور سیرت نبوی سے ثابت شدہ اسلامی آداب بھی آگئے ہیں،

---

[1] امام غزالیؒ کا اسی موضوع پر ایک مختصر رسالہ عربی میں "بدایۃ الھدایۃ" کے نام سے ہے، جس کو حواشی کے ساتھ حلب کے ایک عالم شیخ محمد الحجار نے ایڈٹ کیا ہے، اور حلب کے مکتبۃ الدعوۃ نے اس کو شائع کیا ہے، یہ رسالہ بھی مفید اور دین آموز ہے۔

یہ کتاب ہر اس شخص کے لئے رہنما اور مرشد کا کام دے سکتی ہے، جس کو فقیہ کامل اور (اصلاح باطن کے لئے) طبیب حاذق میسر نہ ہو، ساتھ ہی ساتھ اس میں کتاب کے عالی مرتبت مصنف نے اپنے ذاتی تجربات اور اوراد بھی بیان کئے ہیں، ان تمام مباحث میں وہ جادۂ سنت پر ثابت قدم، بلند پایہ فقیہ اور مذہب حنبلی کے ایک جید عالم کی حیثیت سے جلوہ گر نظر آتے ہیں، انھوں نے کتاب میں ایک باب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی شامل کیا ہے اور اہلِ سنت کے عقائد کی شرح امام احمد بن حنبل کے تبع متکلمین کے مذہب پر کی ہے، خاص طور پر صفات باری تعالےٰ کے مسئلہ اور فرق ضالہ کی تردید میں انھیں کی ترجمانی ہے۔

حضرت شیخ نے یہ بھی مناسب سمجھا کہ اس کتاب میں مجالس وعظ و ارشاد کو بھی شامل کیا جائے، اور دِنوں اور مہینوں کے فضائل بھی ذکر کر دیئے جائیں، تاکہ یہ کتاب ان مجالس ذکر و وعظ کی بھی کسی حد تک قائم مقام ہو جائے، جن کی بغداد میں دھوم مچی ہوئی تھی؛ اور جن سے مردہ دلوں کی مسیحائی کا کام لیا جا رہا تھا، ان فصول و ابواب میں انھوں نے (خالص محدثین کے طرز سے ذرا ہٹ کر) افادۂ عام کے لئے قدرے توسّع سے کام لیا ہے، کتاب کا اختتام مریدین کے آداب و اخلاق کے بیان پر ہوا ہے۔

یہ کتاب حضرت موصوف کے حلقہ بگوش مریدین و منتسبین اور ان تمام لوگوں کے لئے دستور العمل رہی ہے، جو کتاب و سنت اور عقیدۂ سلف کی روشنی میں اپنی زندگی کو منضبط اور منظم کرنا چاہتے ہیں، اور اصلاح اخلاق، اور صفائی باطن کا شوق رکھتے ہیں، اس کتاب سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد ایشیا اور افریقہ دونوں بر اعظموں میں لاکھوں تک پہونچتی ہے۔

اسی ارادہ اور قصد سے محدث جلیل، اور عربی لغت کے ماہر و محقق علامہ مجدالدین

فیروزآبادی (م ۸۱۷ھ) مصنف "القاموس" نے اپنی کتاب "سفر السعادۃ" تصنیف فرمائی، جس میں انھوں نے اختصار کے ساتھ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر روشنی ڈالی، عبادات ومعاملات، اور زندگی کے مختلف حالات میں آپ کی سنتیں، تعلیمات، اور ارشادات ذکر کئے ہیں، اخلاق وخصائل نبوی کا تذکرہ کیا، اس طرح یہ کتاب انفرادی واجتماعی زندگی میں سیرت طیبہ اور سنت مطہرہ کے گرد گردش کرتی ہے، جس کو ایک مسلمان (جو سنن وآداب اور زندگی میں طریقۂ نبوی کے معلوم کرنے کا خواہشمند ہے) اپنی زندگی کا دستور العمل بنا سکتا ہے، مصنف نے طب نبوی کو بھی کتاب میں شامل کیا ہے کتاب متوسط سائز کے ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔[1]

لیکن اس سلسلہ کی سب سے بڑی کوشش اور اس موضوع اور مقصد پر سب سے زیادہ مقبول ومشہور کتاب "زاد المعاد فی ھدیٰ خیر العباد" ہے، جس کے مصنف علامہ حافظ ابن قیم الجوزیہ (م ۷۵۱ھ) ہیں، یہ کتاب سیرت وسنت، فقہ وکلام اور تزکیہ واحسان کے مختلف ومتنوع مباحث پر مشتمل ہے، غالباً "احیاء العلوم" کے بعد کوئی کتاب اصلاح وتربیت کی غرض سے اتنی جامع نہ لکھی گئی ہوگی، جہاں تک تحقیق واستناد اور کتاب وسنت سے مطابقت کا تعلق ہے، وہ اول الذکر سے بھی فائق ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے دینی کتب خانہ کے دریا کو اس کتاب کے کوزہ میں بند کرنے کی کوشش کی ہے، یہ کتاب ایک مربی ومرشد، اور فقیہ ومحدث کی نیابت کا حق ادا کرتی ہے، حدیث کا ذوق رکھنے اور سنن وآداب نبوی کا اہتمام کرنے والے طالبین اور علماء نے اس کتاب کو ہمیشہ حرزِ جان

---

[1] کتاب کا اصل نام "صراط مستقیم" معروف بہ "سفر السعادۃ" ہے، اصلاً وہ فارسی زبان میں ہے، نویں صدی ہجری کی ابتداء میں ابو الجود محمد بن محمود مخزومی نے اس کو عربی میں منتقل کیا۔

بنایا، یہ کتاب علومِ اسلامیہ حدیث، فقہ، کلام اور نحو وصرف کا "عطر مجموعہ" ہے اور ان اہم اسلامی کتابوں میں اس کا شمار ہے، جو ایک ایسے کثیر الفنون متبحر عالم کی نمائندگی کرتی ہیں جس کو علوم میں محققانہ دستگاہ حاصل ہو۔[1]

انھیں کتابوں میں جو اسی مقصد (دینی رہنمائی اور اخلاقی تربیت) کے لئے لکھی گئیں، علامہ محمد بن ابی بکر سمرقندی (جو رکن الاسلام، اور واعظ القوم کے لقب سے ملقب ہیں) کی کتاب "شرعة الاسلام إلی دار السلام" ہے، اپنی کتاب کے تعارف میں وہ خود فرماتے ہیں:۔

"یہ وہ کتاب ہے جس کی نونہالان اسلام کو سب سے پہلے تلقین کرنی چاہیئے، اور اہلِ یقین کو پیشِ نظر رکھنی چاہیئے، بلکہ سالک راہ حق کو (اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ ہوائے نفسانی اس کو ہلاکت کے غار میں نہ پھینک دے) اس کے بغیر چارۂ کار نہیں"۔[2]

مصنف کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خاندان کی آئندہ نسلیں، اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں، اور اس کو اپنے لئے رہنما بنائیں، مصنف نے سنت سے ثابت شدہ صحیح دینی عقائد بیان کئے ہیں، اور اس سلسلہ میں محققین سلف، اور سنت کے پرجوش داعیوں کا طرز اختیار کیا ہے، پھر علماء کے اخلاق سے بحث کی ہے، اپنے تجربات اور نتائج غور و فکر بھی پیش کئے ہیں، مصنف کی حسن نیت اور صلاح کے باوجود کتاب میں

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ دوم، تذکرہ علامہ ابن قیمؒ اور ان کی کتاب "زاد المعاد کا تعارف"۔ [2] ہمارے پاس جو کتب سیر و تراجم ہیں، ان میں مصنف کے حالات کا پتہ نہ چل سکا، اس لئے ان کے زمانہ اور سنہ وفات کی تحدید نہیں کی جا سکتی، مؤلف "کشف الظنون" نے البتہ ان کی کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بڑی عمدہ اور بہت مفید کتاب ہے" اس کتاب کا انکشاف ہمارے فاضل دوست محمد حنیف … (استاذ نہرو یونیورسٹی، دہلی) نے کیا، وہی اس کو ایڈٹ کر کے شائع کر رہے ہیں

ایسا مواد بھی پایا جاتا ہے، جو علم حدیث اور فن نقد کی روشنی میں محل نظر ہے۔

مقبول عام اور آسان کتابوں میں جن سے اپنے دور میں بے شمار انسانوں نے فائدہ اٹھایا بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ[1] پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) کی کتاب "مالابدّ منہ" ہے جس میں پہلے ان عقائد کا تذکرہ (جو اہلِ سنت والجماعۃ کا شعار ہیں) مبسوط طریقہ سے کیا گیا ہے، پھر نماز کی فضیلت، طہارت کے مسائل، نماز کے تفصیلی احکام، زکوٰۃ وروزے کے احکام، حج کا اجمالی تذکرہ ہے، مسائل واحکام وہ انتخاب کئے گئے ہیں، جن کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے، اور جن میں ابتلائے عام ہے، کچھ نادر مسائل بھی ذکر کئے گئے ہیں، ایک خاص فصل تقوے کے موضوع پر ہے، اس میں زمانہ کی روح کا لحاظ کیا گیا ہے، اور عام انفرادی واجتماعی امراض، بیع وشراء کے طریقے، شرعی اور غیر شرعی معاملات کی نشان دہی کی ہے، جو مصنف علّام کے زمانہ میں رائج تھے، ایک فصل معاشرت کے آداب، حقوق العباد اور اپنے زمانہ کی پھیلی ہوئی ان منہیات ومعاصی پر ہے، جن کو لوگ حقیر ومعمولی سمجھتے ہیں، اس میں رذائل اخلاق، نفس کے فتنوں اور جاہلی رسم ورواج کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اخلاق عالیہ سے متصف ہونے کی تاکید کی گئی ہے، پھر ایک فصل تزکیہ واحسان، اخلاص، اور دین کے مغز وحقیقت کے حصول کے موضوع پر ہے، (جس کو تصوف کا خلاصہ کہنا چاہیئے) اور یہ سب بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ اور "عقلمنداں را اشارہ کافی ست" کے اصول کے مطابق ہے۔

کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں صرف وہ ضروری باتیں آئی ہیں، جن سے واقفیت

---

[1] آپ کے حالات وکمالات ومقام ومرتبہ معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو ان کا تذکرہ "نزہۃ الخواطر" جلد ہفتم۔

اوسط درجہ کے اور مشغول مسلمان کے لئے لابدی ہے، خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جو بلوغ اور عدم بلوغ کے عبوری دور سے گذر رہے ہیں، اسی لئے یہ کتاب تقریباً ایک صدی سے زائد ہندوستان کے شریف گھرانوں اور دین دار خاندانوں میں نصابی کتاب کی طرح پڑھی پڑھائی جاتی رہی، کتاب فارسی زبان میں ہے، جو برصغیر ہند کی اس عہد میں علمی و تعلیمی زبان تھی، کتاب متوسط سائز کے ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس موضوع پر اور اس مقصد کے پیش نظر بہترین کتابوں میں سے جس کا اپنے عہد کے اخلاق و اعمال پر گہرا اثر پڑا، اور جس کی افادیت بہت وسیع اور دور رس ثابت ہوئی "صراط مستقیم" ہے، جو تیرہویں صدی ہجری کی جہاد و اصلاح کی سب سے بڑی تحریک کے قائد و امام، مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ (ش ۱۲۴۶ھ) کے ملفوظات و ارشادات کا مجموعہ ہے، جس کو ان کے رفیق و وزیر مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ (ش ۱۲۴۶ھ) اور سید صاحب کے خلیفۂ اکبر مولانا عبدالحی بڈھانوی (م ۱۲۴۳ھ) نے فارسی میں مرتب کیا، اس کتاب میں "صراط مستقیم" پر گامزن ہونے، شریعت اسلامی پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنے اور سنت نبویہ پر کاربند ہونے کے سلسلہ کی بڑی روشن تعلیمات اور واضح ہدایات ہیں، اس میں طریق ولایت پر طریق نبوت اور تقرب بالنوافل پر تقرب بالفرائض کی فضیلت اور برتری کو ثابت کیا گیا ہے، عقائد کی تصحیح، توحید خالص کی تعلیم، شرک و بدعت کی (ان کے تمام انواع و اقسام کے ساتھ) تردید کتاب کا خاص امتیاز ہے، خاص طور پر ان بدعتوں کی نشان دہی کی گئی ہے، جو سید صاحب کے دور میں صوفیوں، عابدوں، اور زاہدوں کے حلقے میں رواج پذیر تھیں، اور جو معقولات سے اشتغال رکھنے والوں، الحاد کے علم برداروں

اور باطنیت سے متاثر صوفیوں، اہل تشیع اور غالی بدعتیوں کے اثر سے مسلم معاشرہ میں پیدا ہوئیں، اور سبزۂ خودرو کی طرح پوری زندگی پر چھا گئیں۔ اسی طرح غمی، خوشی کے موقعہ پر پائی جانے والی، وہ جاہلی عادات و رسوم جو غیر مسلموں کے اختلاط کے اثر سے مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہو گئی تھیں، اور اسلامی معاشرہ کا حلیہ بگاڑ رہی تھیں، اور کتاب و سنت سے بُعد و ناواقفیت کے باعث، اور خاص طور پر حدیث سے بُعد و اشتغال کی کمی کی وجہ سے زندگی میں جراثیم کی طرح پھیل رہی تھیں، اس کتاب میں ان سے مقابلہ اور ان سے تحفظ کی دعوت دی گئی ہے، اور مسلم معاشرہ کو ان سے پاک کرنے کا علاج تجویز کیا گیا ہے، اس کے بعد تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس، اور روحانی معالجات پر روشنی ڈالی گئی ہے، وصول الی اللہ اور قرب عند اللہ کے مقصد اور انسانی و ایمانی کمالات کے حصول کی راہ میں جو گھاٹیاں پڑتی ہیں، ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور ان پر قابو پانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

اس کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں اذکار و عبادات، اصلاح عقائد و سلوک کے بیان کے ساتھ دعوت و تبلیغ، راہ خدا میں جہاد، عزیمت پر عمل، امت کی فکر، خدا تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے، اور اس کے دین کے پرچم کو لہرانے اور اس کے تمکین فی الارض کی عملی تیاری کی دعوت بھی بلند آہنگی سے دی گئی ہے،

اہم اصلاحی و تربیتی کتابوں کی فہرست میں حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانویؒ کی کتاب "تعلیم الدین" بھی آتی ہے، جو ایک سو چوالیس (۱۴۴) صفحات پر مشتمل ہے، وہ عقائد، ایمانیات، اعمال و عبادات، معاملات، آداب معاشرت اور سلوک و طریقت کے بارے میں اہم ہدایات پر حاوی ہے، ان کی اس سے زیادہ جامع

اور مقبول و مشہور کتاب بہشتی زیور ہے، جس نے دین کی عمومی تعلیم و تربیت، اصلاح حال اور اصلاح رسوم کے میدان میں انقلابی کردار ادا کیا ہے، کتاب اصلاً مسلمان بچیوں اور خواتین کے لئے لکھی گئی تھی، لیکن اس سے طلبہ و علماء بھی استفادہ کرتے ہیں، اور وہ گھروں میں ایک متوسط درجہ کے مفتی، اور ایک اچھے قسم کے دینی اتالیق اور واعظ کا کام دیتی ہے، اردو میں کم کتابیں ہوں گی، جس کے اتنے ایڈیشن شائع ہوئے ہوں گے، اور اس تعداد میں چھپی ہوگی، جس تعداد میں یہ کتاب چھپی۔

دور حاضر میں اس موضوع کی اہمیت، اور موجودہ نسل کو اس کی ضرورت اس لئے اور بڑھ گئی ہے کہ یہ دور اختصار پسند واقع ہوا ہے، وقت کی قدر و قیمت اور اس کی برق رفتاری کا احساس، ذکاوت حس کی حد تک پہونچ گیا ہے، ہر پیچیدہ اور طویل، محنت طلب اور دقیق کتاب کے مطالعہ سے گریز اس دور کا عام مزاج بن گیا ہے، اسی کے ساتھ موجودہ نسل کسی حد تک ضعیف القویٰ اور قاصر الہمت بھی نظر آتی ہے، تمدن کی پیچیدگیوں، اور زندگی کے لامتناہی مطالبات نے مطالعہ اور استفادہ کے خواہش مندوں کو اور بھی اختصار و اجمال پسند بنا دیا ہے[۱]۔

اس لئے عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ ایک نئی کتاب تیار کی جائے، جو گذشتہ کتابوں کی قائم مقامی کا کام انجام دے، کیونکہ ہر دور کی (باوجود وحدت زبان کے جو نسلوں اور صدیوں تک قائم رہتی ہے) ایک خاص زبان ہوتی ہے، جس کے بغیر ابنائے زمانہ کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے، پھر ہر دور کی الگ نفسیات، نئی بیماریاں اور کمزوریاں، اور ذہن و طبیعت کے چور دروازے ہوتے ہیں، اسلامی تصورات

---

[۱] اسی بنا پر بعض لوگ اس عہد کو (SANDWICH AGE) کہنے لگے ہیں۔

خارجی اثرات سے متاثر ہوتے رہتے ہیں، بڑے بڑے مصلحین و مخلصین کو بھی اپنے دور میں اس کی رعایت کرنی پڑی ہے، دوسری صدی ہجری اور اس کے بعد کا زمانہ یونانی فلسفہ اور اس دور کی عقلیت پرستی سے متاثر ہوا، اور آج کا دینی ذہن اور تعلیم یافتہ نوجوان، مغرب کے سیاسی فلسفوں، اجتماعی و اقتصادی نظاموں، اور زندگی و معاشرہ کی تنظیم جدید کے طریقوں سے متاثر ہو رہا ہے، وہ منفرد کتاب جس کی تازگی میں کبھی فرق نہیں آتا، اور گردش زمانہ اس پر اثر انداز نہیں ہوتی، وہ صرف خدا تعالےٰ کی لازوال و معجز کتاب قرآن ہے، پھر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثابت شدہ صحیح احادیث کا بے بہا ذخیرہ، ان کے علاوہ ہر کتاب قانون تغیر میں جکڑی ہوئی، اور اصلاح و ترمیم، حذف و اضافہ، اور انتخاب و تلخیص کی محتاج ہے۔

راقم کے بعض مخلص دوست ایک زمانہ سے مشورہ دے رہے تھے، بلکہ اصرار کر رہے تھے کہ وہ اس موضوع پر ایک کتاب ترتیب دے، جس سے موجودہ نسل کے لوگ فائدہ اٹھائیں، اسے زندگی کا دستور العمل اور رہنما بنائیں، جس طرح مختلف دوروں میں اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں سے فائدہ اٹھایا گیا، میں جب اس موضوع پر لکھنے والے قدیم علماء کی زریں فہرست پر نظر ڈالتا، اور ان کی جلالت شان، اخلاص، اور علمی مقام کا خیال کرتا، تو اپنی فرومایگی اور بے بضاعتی اس موضوع پر قلم اٹھانے سے مانع و عنان گیر ہوتی، پھر ضروری تصنیفی پروگرام علمی مشغولیتیں اور طویل سفر اس موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے کا بھی موقعہ نہیں دیتے تھے، لیکن بالآخر ذاتی مطالعہ، زندگی کے تجربات، اور جدید اسلامی لٹریچر میں اس خلا کی موجودگی کے

احساس و مشاہدہ نے خود اس کی تحریک کی، اور اپنی بضاعت و صلاحیت کے مطابق اس کام کو انجام دینے کے لئے شرح صدر ہو گیا، بلکہ یہ احساس ہونے لگا کہ اس کام میں مزید تاخیر ایک اہم دینی فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کے مرادف ہوگی، جس پر شاید محاسبہ ہو، اس لئے خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اور استخارہ اور دعا کے بعد کام شروع کر دیا گیا، جو (چند در چند موانع کے باوجود) محض توفیق الٰہی سے پایۂ تکمیل کو پہونچا۔

کتاب میں ذاتی تجربات کا خلاصہ اور مطالعہ کا نچوڑ بھی پیش کر دیا گیا ہے، جو دعوت و تصنیف کے عملی تجربوں، اور امت کے مختلف طبقات سے عملی واقفیت پر مبنی ہے، اپنی گذشتہ تصنیفات کے ان اقتباسات کے پیش کرنے میں بھی تامل سے کام نہیں لیا گیا، جو مقصد و مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لئے زیادہ موزوں و مناسب تھے، اللہ تعالیٰ کی کریم اور نکتہ نواز ذات سے امید ہے کہ اس کتاب سے مصنف کو بھی نفع حاصل ہوگا، اور ان طالبین صادقین کے لئے بھی مفید و کارآمد ثابت ہوگی، جو اس کو عمل اور فائدہ کی نیت سے پڑھیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی

۷ر شعبان ۱۴۰۲ھ
۳۱ر مئی ۱۹۸۲ء

دین (اسلام) کا مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات

اس کائنات میں ہر زندہ اور متحرک شے کا ایک خاص مزاج، کچھ نمایاں خصوصیات، اور ابھرے ہوئے خط و خال ہوتے ہیں، جن سے اس کی "شخصیت" کی تشکیل اور اس کا تعین ہوتا ہے، اور وہ اس کی صفات ممیزہ قرار پاتی ہیں، اس میں افراد، جماعتیں، ملتیں اور قومیں، مذاہب اور فلسفے یکساں طور پر شریک ہیں، وہ سب اپنی کچھ امتیازی خصوصیات اور نمایاں علامات رکھتے ہیں، اس لئے یہ دریافت اور تحقیق حق بجانب ہے کہ اس دین (اسلام) کی صفات ممیزہ اور اس کی شخصیت کے صحیح خط و خال کیا ہیں؟ دین کی تفصیلات تعلیمات، ہدایات اور معین قوانین و ضوابط کے مطالعہ اور جستجو سے پہلے ہمیں اس حقیقت سے باخبر ہو جانا چاہئے، کیونکہ دین سے مکمل طور پر فائدہ اٹھانے، اور اس کے رنگ میں رنگ جانے کے لئے یہی فطری طریقہ، اور اس کے قفل کی شاہ کلید ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ دین ہم تک حکیموں اور دانش وروں، ماہرین قانون، علمائے اخلاق و نفسیات، کشور کشا اور قانون ساز، بانیانِ سلطنت، خیالی گھوڑے دوڑانے والے فلاسفہ، اور طالع آزما سیاسی رہنماؤں، اور ملکوں اور قوموں کے قائدین کے ذریعہ نہیں پہونچا، یہ دین ہم تک ان انبیائے کرام کے ذریعہ

پہونچا ہے، جن کے پاس خدائے تعالےٰ کی وحی آتی تھی، اور جن کا سلسلہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ختم ہوچکا ہے، حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات کے دن یہ آیت نازل ہوئی تھی :۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ	آج ہم نے تمہارے لئے دین کامل کردیا،
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ	اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی اور
الْاِسْلَامَ دِيْنًاؕ (مائدہ ـ ۳)	تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اور جن کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے :۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ اِنْ هُوَ	اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات
اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىۙ	نکالتے ہیں، یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے
(النجم ـ ۳ ـ ۴)	جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔

اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار "عقیدہ" پر زور اور اصرار، اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کرلینے کی تاکید ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیائے کرام ایک معیّن عقیدے کی (جو ان کو وحی کے ذریعہ ملا تھا) دعوت دیتے اور اس کا مطالبہ کرتے رہے، اور اس کے مقابلہ میں کسی مفاہمت یا دست برداری پر تیار نہ ہوئے، ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی اور اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی کردار کا حامل، نیکی وصلاح، سلامت روی اور معقولیت کا زندہ پیکر، اور مثالی مجسمہ خواہ اس سے کسی بہتر حکومت کا قیام کسی صالح معاشرہ کا وجود، اور کسی مفید انقلاب کا ظہور ہوا ہو، اس وقت تک کوئی قدر وقیمت نہیں رکھتا، جب تک وہ اس عقیدہ کا ماننے والا نہ ہو، جس کو وہ لے کر آئے، اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے، اور

جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کاوشیں صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر نہ ہوں،
یہی وہ حدِ فاصل اور واضح و روشن خط ہے، جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام
کی دعوت اور قومی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں، انقلابیوں اور ہر اس شخص کے درمیان
کھینچ دیا گیا ہے، جس کا سرچشمۂ فکر و نظر انبیائے کرام کی تعلیمات اور سیرتوں کے بجائے
کوئی اور ہو۔[1]

قرآن مجید جو تحریف سے محفوظ اور قیامت تک باقی رہنے والی واحد آسمانی کتاب
ہے، اور سیرتِ خاتم النبیینؐ جو انبیائے کرام کی سیرتوں میں تنہا وہ سیرت ہے، جس پر
تاریخی و علمی طور پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، اور جس سے ہر دور میں عملی استفادہ ممکن ہے، اس حقیقت
اور دعوے کے بکثرت شواہد و دلائل فراہم کرتے ہیں، ذیل میں صرف چند مثالوں پر اکتفا
کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں وہ آیت کریمہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی و خلیل
حضرت ابراہیم علیہ السلام ..... کے تحمل اور نرم دلی کی خاص طور پر تعریف کی ہے:۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ بے شک ابراہیمؑ بڑے تحمل والے، نرم دل

---

[1] موجودہ دور کے بگڑے ہوئے حالات سے دل برداشتہ بہت سے لوگوں کے اندر یہ مزاج پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ہر اس شخص کے جو انقلاب کا نعرہ لگائے یا کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرے، عقیدہ کے ہر بگاڑ، اور افکار و نظریات کی ہر کجی اور انحراف کو معاف کر دیتے ہیں، اور عقیدہ کے مسئلہ سے بالکل صرف نظر کر لیتے ہیں، بلکہ الٹا ان لوگوں کو ہدفِ ملامت بنا لیتے ہیں، اور کبھی باطل طاقتوں سے ساز باز کر لینے کا الزام بھی لگاتے ہیں، جو اس موقع پر عقیدہ کی بحث کو اٹھائیں، اور اس شخص کے عقائد کے بارے میں کوئی سوال کریں، یہ طرزِ فکر اور طرزِ عمل صحیح دینی مزاج اور نبوی طریق سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

مُّنِيْبٌ ○ (سورہ ہود - ۷۵) اور رجوع کرنے والے تھے۔

اور ان کے رفقاء و متبعین کا طرزِ عمل، اصولِ زندگی، اور مزاج و مذاق اسی طرح بیان فرمایا ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○

(سورہ الممتحنہ - ۴)

تمہیں ابراہیمؑ اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے، جب انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو، بے تعلق ہیں (اور) تمہارے معبودوں کے (کبھی) قائل نہیں ہو سکتے اور جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی، ہاں ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لئے مغفرت مانگوں گا[1]، اور میں خدا کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا، اے ہمارے پروردگار

---

[1] شاید بعض دلوں میں یہ خلجان پیدا ہو کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بت پرست باپ سے دعا اور استغفار کا وعدہ کیوں کیا؟ اس کا جواب سورہ براءۃ کی آیات ۱۱۳-۱۱۴ میں موجود ہے کہ انھوں نے اس وعدہ کا ایفا کیا، لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے، اور انھوں نے اظہار براءت کیا، اور اب ہمیشہ کے لئے یہی اصول بنا دیا گیا۔

تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے' اور تیرے ہی
طرف ہم رجوع کرتے ہیں' اور تیرے ہی
حضور میں ہمیں لوٹ جانا ہے۔

عقیدہ کی اہمیت اور اس کے وصل وفصل کا معیار ہونے کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے' کہ سورۃ الکافرون مکۂ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی' جب حالات نرمی' تلطف' اور عبادت وعقیدہ کی بنیاد پر دشمنی پیدا نہ کرنے' اور اس مسئلہ کو اس وقت تک کے لئے ملتوی رکھنے کے متقاضی تھے' جب اسلام کو طاقت حاصل ہو جائے' اور معتدل و پر سکون حالات ہوں' لیکن قرآن صاف صاف کہتا ہے' اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کھل کر اعلان کرتے ہیں:۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

(سورہ الکافرون)

اے پیغمبر ان منکران اسلام سے کہہ دو کہ اے کافرو جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو' میں نہیں پوجتا' اور جس (خدا) کی میں عبادت کرتا ہوں' اس کی تم عبادت نہیں کرتے اور میں پھر کہتا ہوں کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں' اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں' تم اپنے دین پر' میں اپنے دین پر۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی اس کا مستحق تھا کہ اس کے عقیدہ سے صرف نظر کر لیا جائے کیونکہ وہ زندگی بھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سینہ سپر اور جان ومال سے قربان رہا، تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب تھے، سیرت نگار بالاتفاق ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سپر اور حصار بنے ہوئے تھے، اور اپنی پوری قوم کے خلاف، آپ کے مُمد ومعاون، اور ناصر وحامی تھے، لیکن صحیح روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوطالب کی موت کے وقت جب کہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "اے چچا آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے، میں اس کلمہ کی خدائے تعالےٰ کے یہاں گواہی دوں گا" تو ابوجہل اور ابن ابی امیہ کہنے لگے، ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے مذہب سے روگردانی کرو گے؟ تو ابوطالب نے یہ کہتے ہوئے جان دی کہ عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں، یہ صحیح روایات میں آتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوطالب آپ کی حفاظت اور مدد کرتے تھے، اور آپ کے بارے میں ان کے اندر بڑی حمیت تھی، جس کی بنا پر وہ لوگوں کی رضامندی اور ناراضگی کی مطلق پروا نہیں کرتے تھے، تو کیا اس کا فائدہ ان کو پہونچے گا؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کو آگ کی لپٹوں میں پایا اور معمولی آگ تک نکال لایا۔[1]

سی طرح امام مسلم نے بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کیا ہے کہ وہ کہتی ہیں "میں نے کہا اے اللہ کے رسولؐ ابن جدعان جاہلیت کے زمانہ میں بڑی صلہ رحمی کرتے تھے، مسکینوں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، تو کیا ان کے لئے یہ سود مند ہوگا؟ آپ نے فرمایا، نہیں! ان کو

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان۔

اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ انھوں نے کبھی نہیں کہا کہ "رَبِّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ؕ" (اے میرے رب روزِ جزا کو میرے گناہ بخش دیجئے گا۔)[1]

اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کی طرف روانہ ہوئے، اور جب مقام حرۃ الوبرۃ پر پہونچے تو ایک شخص آیا جس کی جرأت اور بہادری مشہور زمانہ تھی، اس کو دیکھ کر صحابہ کرام کو بڑی مسرت ہوئی (کہ اس سے لشکر اسلام میں جو صرف تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا، ایک وقیع اضافہ ہوگا، اس وقت ایک آدمی کی بھی بڑی قیمت تھی، چہ جائیکہ ایک آزمودہ کار سپاہی) جب وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو اس نے عرض کیا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے ساتھ چلوں، اور مال غنیمت میں شریک ہوں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا واپس جاؤ، اس لئے کہ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لے سکتا، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ وہ کچھ دور چلا یہاں تک کہ ہم لوگ جب مقام شجرہ پر تھے، پھر آیا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی پہلی بات عرض کی، آپ نے وہی پہلا جواب دیا، فرمایا جاؤ میں مشرک سے مدد نہیں لیتا، وہ چلا گیا، اور بیداء پہونچنے پر پھر آیا، آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تو چلو"[2]

۲۔ دوسری بات یہ کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی (جن میں سرفہرست آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے) دعوت و تبلیغ، اور جہد و جہاد کا

---

[1] مسلم کتاب الایمان۔ [2] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر۔

حقیقی محرک اور سبب محض خدائے تعالٰے کی رضا اور خوشنودی کی طلب ہوتی ہے یہ ایک ایسی تیز تلوار ہے، جو اس مقصد اعلیٰ کے علاوہ ہر مقصد کو کاٹتی اور نیست ونابود کر دیتی ہے، پھر نہ متاعِ دنیا کی طلب رہتی ہے، اور نہ ملک ودولت اور سلطنت وریاست کی چاہت، نہ سربلندی اور عزت کی خواہش، نہ غلبہ واقتدار کی ہوس، نہ مال ومنال اور عیش وتنعم کی تمنا، نہ غضب وانتقام کا جذبہ، نہ جاہلی حمیت کا جوش، ان میں سے کوئی چیز بھی ان کو جد وجہد اور جہاد پر نہیں ابھارتی۔

یہ حقیقت سب سے روشن ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا میں جھلکتی ہے، جو آپ نے طائف میں اس وقت کی تھی، جب اہل طائف نے آپ کے ساتھ ایسا جفا کارانہ اور وحشیانہ برتاؤ کیا تھا جس کی مثال دعوت ورسالت کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، آپ جس مقصد کے لئے وہاں تشریف لے گئے تھے، وہ (بظاہر) پورا نہیں ہوا، طائف کا ایک شخص بھی حلقہ بگوشِ اسلام نہ ہوا، اس نازک گھڑی اور سخت نفسیاتی حالت میں جو دعائیہ کلمات آپ کے دہن مبارک سے نکلے تھے وہ یہ تھے:-

اللهم إليك أشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي، وهواني على الناس، أرحم الراحمين، أنت رب المستضعفين وأنت ربي، إلى من تكلني؟ إلى بعيد يتجهمني، أم إلى عدو ملكته أمري۔	الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی، اور لوگوں میں تحقیر کی بابت تیرے سامنے میں فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے، کیا بیگانہ ترش رو کے

یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے۔

اس نقطہ پر آکر وہ نبوی مزاج جس کی پرورش و پرداخت دست قدرت نے کی تھی، پوری طرح جھلک اٹھتا ہے، آپ فرماتے ہیں :۔

ان لم یکن بک غضب علی فلا أبالی	اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے بھی اس کی
غیر أن عافیتک ھی أوسع لی[1]	پروا نہیں لیکن تیری عافیت میرے لئے
	زیادہ وسیع ہے۔

نوح علیہ السلام کو دیکھئے جو اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں، اور جن کے بارے میں قرآن کریم کی شہادت ہے :۔

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ	وہ اپنی قوم میں پچاس برس کم ہزار برس
عَامًا۔ (سورہ عنکبوت۔۱۴)	رہے۔

جنھوں نے یہ طویل مدت دعوت و تبلیغ کے کام میں ہمہ تن مصروف رہ کر، اور لوگوں کو مطمئن کرنے کے تمام مناسب طریقے اختیار کر کے گذاری، قرآن خود ان کا قول نقل کرتا ہے :۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا	(نوح نے) خدا سے عرض کی کہ پروردگار
(سورہ نوح۔ ۵)	میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا۔

آگے فرماتے ہیں :۔

ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ثُمَّ إِنِّي	پھر میں ان کو کھلے طور پر بھی بلاتا رہا، اور
أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا (نوح ۸-۹)	ظاہر و پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۳۰۲، السیرۃ النبویۃ، ابن کثیر ج ۲ ص ۱۵۰

لیکن اس طویل اور زہرہ گداز محنت اور جدوجہد کا نتیجہ کیا رہا؟

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ (سورہ ہود۔۴۰)
ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے۔

لیکن حضرت نوح علیہ وعلی نبینا السلام اس پریشانی یا افسردہ خاطر نظر نہیں آتے، اور اپنی محنت کو رائیگاں نہیں سمجھتے، اور نہ اس سے خدا کے یہاں ان کے مقام، درجۂ قرب، اور اولوالعزم پیغمبر ہونے میں کچھ فرق آتا ہے، خدا ان سے راضی تھا، اور وہ اپنے خدا سے راضی تھے، خدا کا پیغام انھوں نے خدا کے بندوں تک پہونچا دیا تھا، اور راہ خدا میں وہ کوشش کا حق ادا کر چکے تھے، جس کے انعام میں یہ تمغۂ قرآنی ان کو ملا:۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورہ الصافات۔۷۸-۸۱)
اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر (جمیل باقی) چھوڑ دیا یعنی تمام جہان میں نوحؑ پر سلام ہو، نیکوکاروں کو ہم ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

قرآن کریم دعوت و تبلیغ اور جہد و جہاد کے میدان میں تمام کام کرنے والوں کو یہ تعلیم دیتا، اور یہ آداب سکھاتا ہے:۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورہ القصص۔۸۳)
وہ جو آخرت کا گھر ہے، ہم نے اُسے اُن لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے، جو ملک میں اپنی بڑائی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام نیک پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قوت وطاقت جس کے ذریعہ مسلمان احکام خداوندی کا نفاذ کرسکتا ہے، اور دعوت کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو ہٹا سکتا ہے، اور جس کے ذریعہ زمین میں فساد اور ظلم، اور باطل کے غلبہ کی آگ بجھا سکتا ہے، مثالی اسلامی زندگی، اور شریف ومتدین ایمانی معاشرہ کے لئے سازگار ماحول تیار کرسکتا ہے، وہ قابل توجہ اور لائق فکر واہتمام نہیں، ہرگز نہیں، یہ تصور غیر اسلامی ہے، اور اس رہبانیت کا پرتو ہے، جس کے لئے خدائے تعالٰے نے کوئی دلیل اور سند نازل نہیں فرمائی، اللہ تعالٰے اپنے احسان وانعام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(سورہ النور - ۵۵)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے، اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا، اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، مستحکم اور پائیدار کرے گا، اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے، اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

یہ بھی ارشاد ہے :-

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ

(سورہ الانفال - ۳۹)

اور ان لوگوں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد) باقی نہ رہے، اور

دین سب خدا ہی کا ہو جائے۔

یہ بھی فرمایا گیا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ	یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ	دسترس دیں تو نماز کو قائم کریں اور
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا	زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا
عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ	حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں
(سورہ الحج۔ ۴۱)	اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے

اختیار میں ہے۔

اللہ تعالےٰ نے مومنین کے لئے سربلندی اور عزت و غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن اس شرط پر کہ وہ ایمانی صفات سے متصف ہوں، اور ان کا مقصد عمل صرف رضائے خداوندی ہو، نہ کہ عزت و اقتدار کا حصول اور اس کے لئے کوشش، کیونکہ عزت و اقتدار نتیجہ ہے نہ کہ مقصد، انعام ہے نہ کہ غرض و غایت، ارشاد ہے:۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ	اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا، اور نہ
الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝	کسی طرح کا غم کرنا، اگر تم مومن (صادق)
(سورہ آل عمران۔ ۱۳۹)	ہو تو تمہیں غالب رہو گے۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ اس کی صراحت فرمائی ہے کہ خدا کی طرف سے اپنے بندے سے جس کا مطالبہ ہے، اور جو چیز اس کے یہاں کارآمد ہے، وہ قلب سلیم ہے، اس کا ارشاد ہے:۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا	جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا
مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝	نہ اولاد، ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل

سورہ الشعراء ۸۸۔۸۹)

لے کر آیا وہ بچ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے "إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ" (الصافات۔۸۴) (جب وہ اپنے پروردگار کے پاس عیب سے پاک دل لے کر آئے) اس لئے ہر اس چیز سے جو قلب سلیم کے منافی ہو، اور جس کے صنم و معبود بن جانے کا خطرہ ہو، اور جو خدائے عز و جل کی محبت میں شریک و سہیم ہو، اس سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، اور اس سے ہر قیمت پر بچنا لازمی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ — کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی
(سورہ الفرقان۔۴۳) — خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، "إِنَّ الشيطان يَجْرِي مِن ابن آدم مجرى الدَّم" (شیطان ابن آدم (کی رگوں) میں خون کی طرح دوڑ جاتا ہے۔)[1]

۳۔ دین کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ان عقائد، دعوت و پیغام اور شریعت کے بارے میں جس کو وہ لے کر آتے ہیں، بڑے غیور اور ذکی الحس واقع ہوتے ہیں، وہ کسی حال میں بھی (خواہ دعوت کی مقبولیت اور کامیابی کی مصلحت ہی کا تقاضہ کیوں نہ ہو) اس کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ اپنی دعوت اور شریعت میں کوئی ترمیم، یا تغیر و تبدل گوارہ کرلیں، ان کے یہاں مداہنت، اور تبدیلی موقف کی گنجائش نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝ (الحجر۔۹۴) — پس جو حکم تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے، وہ سنا دو اور مشرکوں کا ذرا خیال نہ کرو۔

---

[1] بخاری، مسلم

نیز ارشاد ہے:۔

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ	اے پیغمبر! جو ارشادات تم پر خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہونچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہونچانے میں قاصر رہے اور خدا تم کو لوگوں سے
(سورہ المائدہ۔ ۶۷)	بچائے رکھے گا۔

نیز فرمایا:۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ○	یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو
(سورہ القلم۔ ۹)	تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا موقف توحید بلکہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد، حتیٰ کہ دین کے ارکان و فرائض کے بارے میں بھی لچکدار اور مصالحانہ موقف نہ تھا، جو سیاسی قائدین کا (جو بزعم خود اپنے کو حقیقت پسند اور عملی انسان سمجھتے ہیں) ہر زمانہ میں طرۂ امتیاز رہا ہے، شہر طائف کے فتح ہو جانے کے بعد قریش کے بعد عرب کے دوسرے سر برآوردہ قبیلۂ ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، اور یہ درخواست کرتا ہے کہ لات نامی صنم کو (جس کی وجہ سے طائف کو مکہ کے بعد مرکزیت اور تقدس حاصل تھا) تین ۳ سال تک اپنے حال پر رہنے دیا جائے، اور دوسرے اصنام کی طرح اس کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صاف انکار فرما دیتے ہیں، وفد کے لوگ دو۲ سال، پھر ایک۱ سال کی مہلت مانگتے ہیں، آپ مسلسل انکار فرماتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس پر اُتر آتے ہیں کہ ہمارے طائف واپس جانے کے بعد

صرف ایک مہینہ کی مہلت دے دی جائے، لیکن آپ ان کی آخری درخواست قبول فرمانے کے بجائے ابوسفیان بن حرب (جن کی طائف میں رشتہ داری تھی) اور قبیلۂ ثقیف ہی کے ایک فرد مغیرہ بن شعبہ کو مامور فرماتے ہیں کہ وہ جائیں اور لات اور اس کے معبد کو ڈھادیں، اہل وفد ایک درخواست یہ بھی کرتے ہیں کہ انھیں نماز سے معاف رکھا جائے آپؐ فرماتے ہیں، اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں، اس گفتگو سے فارغ ہو کر وہ اپنے وطن واپس لوٹتے ہیں، اور ان کے ساتھ ابوسفیانؓ اور مغیرہؓ بھی جاتے ہیں، اور لات کو ڈھادیتے ہیں اور پورے قبیلہ ثقیف میں اسلام پھیل جاتا ہے، یہاں تک کہ پورا طائف مسلمان ہو جاتا ہے[1]۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ تبلیغ و دعوت، اور اپنی تفہیم و مکالمہ میں وہی اسلوب اور وہی تعبیرات استعمال کرتے ہیں، جو ان کی دعوت کی روح، اور نبوت کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتی ہیں، وہ کھل کر اور پوری وضاحت کے ساتھ آخرت کی دعوت دیتے ہیں، جنت اور اس کی نعمتوں اور لذتوں کا شوق دلاتے ہیں، دوزخ اور اس کے عذاب اور اس کی ہولناکیوں سے ڈراتے ہیں، اور جنت و دوزخ دونوں کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں گویا وہ نگاہوں کے سامنے ہیں، وہ عقلی دلائل و براہین اور مصالح و مفادات کے بجائے ایمان بالغیب کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ان کا عہد بھی مادی فلسفوں اور نظریات سے (جو ان کے عہد کی سطح اور حالات کے مطابق ہوتے ہیں) یکسر خالی نہیں ہوتا، اس عہد میں بھی کچھ طبقوں کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں، وہ ان سے ناواقف نہیں ہوتے، وہ یہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ یہ فلسفے اور اصطلاحات سکۂ رائج الوقت ہے، اور انھیں کا اس دور میں چلن ہے، لیکن لوگوں کو

---

[1] زاد المعاد۔ ج ا صہ ۴۵۸-۴۵۹ باختصار

قریب کرنے اور اپنی طرف آنے کی دعوت دینے کے لئے وہ ان سے کام نہیں لیتے، وہ اللہ تعالیٰ پر اس کی صفات و افعال کے ساتھ، ملائکہ پر، تقدیر پر (شر ہو یا خیر) موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، وہ بغیر کسی تردد اور معذرت کے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان کی دعوت قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے کا انعام جنت اور خدائے تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

دعوت کے سلسلہ میں اس نبوی مزاج و منہاج، اور طریقۂ کار کی بہترین مثال بیعت عقبۂ ثانیہ کا واقعہ ہے، جب اہل یثرب کی ایک تعداد جن میں ۷۳ مرد اور دو خواتین تھیں، حج کے لئے مکہ معظمہ آئے، اور عقبہ کے پاس وادی میں اکٹھا ہوئے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) تشریف لائے، آپ نے قرآن پاک کی آیات تلاوت فرمائیں، خدائے واحد کی طرف دعوت اور اسلام کی ترغیب دی، اور فرمایا کہ تم سے میں یہ عہد اور بیعت لیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ حفاظت اور خیال کا وہی معاملہ کرو گے، جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ کرتے ہو، انصار نے بیعت کی اور آپ سے یہ وعدہ لیا کہ آپ ان کو چھوڑ کر پھر اپنی قوم میں واپس نہ جائیں گے وہ زیرک اور دانا تھے، اور اس عہد و پیمان کے دور رس اور خطرناک نتائج سے بخوبی واقف تھے، وہ سمجھتے تھے کہ وہ تمام قریبی قبائل، بلکہ پورے ملک عرب سے دشمنی مول لے رہے ہیں، ان کے ایک جہاں دیدہ تجربہ کار رفیق (عباس بن عبادہ انصاری) نے بھی ان کو مزید ان نتائج سے آگاہ اور ہوشیار کیا، لیکن انھوں نے جواب میں بیک زبان کہا کہ ہم مال و متاع کے نقصان اور اپنے سربرآوردہ افراد خاندان کے قتل وہلاک ہو جانے کا خطرہ مول لیتے ہوئے آپ کو ہلاتے ہیں، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ملتفت ہو کر انھوں نے عرض کیا،

کہ اے اللہ کے رسول اگر ہم نے وعدہ وفا کر دکھلایا تو ہمیں کیا ملے گا۔؟

ایسے نازک موقعہ پر اگر خدا کے پیغمبر کی جگہ کوئی سیاسی لیڈر، کوئی قومی رہنما، یا محض سیاسی سوجھ بوجھ کا کوئی انسان ہوتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ افتراق وانتشار کے بعد اب تمہاری شیرازہ بندی ہوگی، ایک قبیلہ کی معمولی حیثیت کے بعد اب پورے عرب میں تمہارا وجود تسلیم کیا جائے گا، اور تم ایک طاقت بن کر ابھرو گے، یہ کوئی خیالی اور ناقابل قیاس بات نہ تھی، بلکہ تمام علامات وقرائن، اس کے امکان اور امر واقعہ بننے پر دلالت کرتے تھے، خود ان اہل یثرب میں سے ایک کہنے والے نے اس سے پیشتر کہا تھا کہ:۔

"ہم اپنی قوم کو اس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ شاید ہی کسی قوم میں ایسی دشمنی اور انتشار ہو، جیسا ہماری قوم میں ہے، ہمیں امید ہے کہ خدا تعالےٰ آپ کے ذریعہ ان کی شیرازہ بندی کرے، اب ہم ان کے پاس جائیں گے، اور آپ کی یہ دعوت ان کے سامنے پیش کریں گے، اور جس دین کو ہم نے قبول کیا ہے، ان کو بھی اس کی دعوت دیں گے، اگر خدا تعالےٰ آپ کی ذات پر ان کو مجتمع فرمادے تو آپ سے بڑھکر کوئی صاحب اقتدار اور باعزت وشوکت شخص نہ ہوگا۔"[1]

لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس سوال کے جواب میں کہ "اے اللہ کے رسول، پھر ہمیں کیا ملے گا؟" صرف اس پر اکتفا فرمایا کہ "جنت" اس وقت انھوں نے عرض کیا کہ حضور دست مبارک دراز فرمائیے، آپ نے اپنا دست مبارک بڑھایا اور انھوں نے بیعت کرلی۔[2]

اسی غیرت اور کار نبوت کی تکمیل کا اثر ہے کہ پیغمبر کسی شرعی حکم میں کسی تبدیلی کے روادار

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۴۲۹ [2] ایضاً ص ۴۴۶

ہوتے ہیں، اور نہ کسی حکم پر عمل کسی کی سفارش اور اثر سے موقوف و ملتوی رکھتے ہیں، وہ قریب و بعید، یگانہ و بیگانہ سب پر یکساں طریقہ پر اللہ تعالیٰ کے حدود و احکام کا نفاذ کرتے ہیں، چنانچہ قبیلۂ بنی مخزوم کی ایک خاتون کے بارے میں جس سے چوری کا جرم سرزد ہوا تھا، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (جن پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص شفقت و عنایت تھی) سفارش کرنے کے لئے حاضر ہوئے، تو آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ کیا اللہ کے متعین کردہ حدود کے بارے میں سفارش کرتے ہو، پھر آپ نے تقریر فرمائی جس میں فرمایا "اے لوگو! تم سے پہلے امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی باوجاہت شخص اور خاندانی آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے، اور کوئی کمزور اور معمولی آدمی چوری کرتا، تو اس پر حد نافذ کرتے، قسم ہے خدائے پاک کی، اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے دریغ نہ کروں گا"۔[1]

یہی وہ غیرت ہے، جو انبیاء کرام کے اصحاب و نائبین میں منتقل ہوئی، انھوں نے بھی کامیابی اور ناکامی، اور سود و زیاں سے آنکھیں بند کر کے قرآنی تعلیمات، شرعی احکام، اور اسلام کے اصول و ضوابط کی حفاظت کی تاریخ میں اس کی شاندار مثال فاروق اعظمؓ کا وہ واقعہ ہے، جو جبلہ ابن ایہم غسانی کے ساتھ (جو شاہانِ آل جفنہ کے سلسلہ کی اہم کڑی تھا) پیش آیا، وہ قبیلہ عک و غسان کے پانچسو افراد کے ساتھ مدینہ منورہ آیا، جب وہ مدینہ میں داخل ہوا تو کوئی دوشیزہ اور پردہ نشین عورت ایسی نہ تھی، جو اس کو اور اس کے زرق برق لباس کو دیکھنے کے لئے نہ نکل آئی ہو، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لئے تشریف لے گئے، تو جبلہ بھی ساتھ گیا، وہ بیت اللہ کا طواف کر ہی رہا تھا، کہ بنی فزارہ کے ایک شخص کا پاؤں اس کے لٹکتے ہوئے تہبند کی کور پر پڑ گیا، اور وہ کھل گیا، جبلہ نے ہاتھ اٹھایا اور فزاری کی ناک پر

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحدود باب حد السرقۃ ونصابہا۔

زور کا تھپڑ مارا، فزاری نے حضرت عمرؓ کے یہاں نالش کی، امیر المومنین نے جبلہ کو بلا بھیجا، وہ جب آیا تو اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ اس نے کہا کہ ہاں امیر المومنین اس نے میرا تہبند کھولنا چاہا تھا، اگر کعبہ کا احترام مانع نہ ہوتا تو میں اس کی پیشانی پر تلوار کا وار کرتا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، تم نے اقرار کر لیا، اب یا تو تم اس شخص کو راضی کر لو، ورنہ میں قصاص لوں گا، جبلہ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ کیا کریں گے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس سے کہوں گا کہ تمہاری ناک پر ویسے ہی ضرب لگائے جیسی تم نے اس کی ناک پر لگائی، جبلہ نے حیرت و استعجاب سے کہا کہ امیر المومنین! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ایک عام آدمی ہے، اور میں اپنے علاقہ اور قوم کا تاجدار ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام نے تم کو اور اس کو برابر کر دیا، اب سوائے تقویٰ اور عافیت کے کسی اور چیز کی بنیاد پر تم اس سے افضل نہیں ہو سکتے؛ جبلہ نے کہا کہ میرا خیال تھا کہ میں اسلام قبول کر کے جاہلیت کے مقابلہ میں زیادہ باعزت و باعتبار ہو جاؤں گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ باتیں چھوڑو، یا تو اس شخص کو راضی کرو ورنہ قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ۔

جبلہ نے جب حضرت عمرؓ کے یہ تیور دیکھے تو عرض کیا کہ مجھے آج رات غور کرنے کا موقعہ دیا جائے، حضرت عمرؓ نے اس کی درخواست منظور کی، رات کے سناٹے اور لوگوں کی لاعلمی میں جبلہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو لے کر شام کی طرف روانہ ہو گیا، صبح مکہ میں اس کا پتہ نشان نہ تھا، ایک زمانہ کے بعد جب جثامہ بن مساحق کنانی سے جو اس کے دربار میں شریک ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے اس کے شاہانہ کروفر کے حالات سنے تو صرف یہ فرمایا "وہ محروم رہا، آخرت کے بدلہ میں دنیا خرید لی، اس کی تجارت کھوٹی رہی"۔[1]

---

[1] فتوح البلدان بلاذری باختصار ص ۱۴۲، و تاریخ ابن خلدون۔ ج ۲ ص ۲۸۱

اس کا مطلب یہ نہیں کہ انبیائے کرام دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں حکمت سے کام نہیں لیتے، اور لوگوں سے ان کے فہم وادراک کے مطابق بات نہیں کرتے، حاشا وکلا یہ تو قرآنی نصوص، اور سیرت طیبہ کے بیسیوں واقعات کے منافی ہے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ	اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہ
قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ	اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انہیں
(سورہ ابراہیم۔۴)	(احکام خدا) کھول کھول کر بتادے

زبان کا مفہوم یہاں چند جملوں اور الفاظ میں محدود نہیں، وہ اسلوب، طرزِ کلام، اور طریق تفہیم سب پر حاوی ہے، اس کا دل کش نمونہ حضرت یوسفؑ کی جیل میں اپنے دونوں ساتھیوں سے پند و موعظت، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے دور کے بادشاہوں سے مکالمے میں نظر آتا ہے[1]، اللہ تعالےٰ نے اپنے آخری نبیؐ اور آپ کے توسط سے قرآن کے ہر قاری، اور اسلام کے ہر داعی و مبلغ کو یہ ہدایت فرمائی ہے:۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ	سے اپنے پرودگار کے رستے کی طرف
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ	بلاؤ، اور بہت اچھے طریق سے ان سے
(سورۂ النحل۔۱۲۵)	مناظرہ کرو۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ کو جب دعوت و تبلیغ کی مہم پر روانہ فرماتے تو نرمی، شفقت، سہولت و آسانی پیدا کرنے اور بشارت دینے کی وصیت فرماتے،

---

[1] اس موعظت و مکالمہ کے نفسیاتی اور بیانی و ادبی تجزیہ کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "دعوت و تبلیغ کا معجزانہ اسلوب" شائع کردہ مجلس نشریات اسلام کراچی۔

آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن بھیجتے ہوئے وصیت فرمائی "یسّروا ولا تعسّروا، بشّروا ولا تنفّروا" (آسانی پیدا کرنا سختی نہ کرنا، خوشخبری دینا متوحش نہ بنانا) اور خود اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ	(اے محمدؐ) خدا کی مہربانی سے تمہاری
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ	افتاد مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع
لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ	ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل
(سورۂ آل عمران ۔ ۱۵۹)	ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے بالعموم فرمایا: "انما بعثتم میسّرین ولم تبعثوا معسّرین"[1] (تمہیں آسانی پیدا کرنے کے لئے اٹھایا گیا ہے، دشواری پیدا کرنے کے لئے نہیں اٹھایا گیا ہے۔)

اس سلسلہ کے نصوص و دلائل بے شمار ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے[2]، انبیائے سابقین کی بھی یہی امتیازی شان رہی ہے متعدد انبیاء کا ناموں کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا گیا:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ	یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ۔	فیصلہ کن رائے قائم کرنے کی صلاحیت
(سورۂ الانعام ۔ ۸۹)	اور نبوت عطا فرمائی تھی۔

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۳۵ [2] اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتاب، حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ کے "باب التیسیر" کا مطالعہ کیا جائے۔

لیکن اس آسانی، تدریج اور تیسیر کا تعلق تعلیم و تربیت اور جزوی مسائل سے تھا، جن کا عقائد اور دین کے بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق نہیں، جن باتوں کا تعلق عقائد اور حدود اللہ سے ہے، ان میں ہر دور کے انبیاء کرام فولاد سے زیادہ بے لچک، اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔

۴۔ نبوت کی امتیازی خصوصیات، اور انبیاء کرامؑ کی دعوت کے خط و خال میں ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ ان کا اصل زور آخرت کی زندگی، اور اس کی کامیابی اور سعادتوں کے حصول پر ہوتا ہے، وہ اس کا اس کثرت سے تذکرہ کرتے ہیں، اور اس کا اس درجہ اہتمام و فکر کہ وہ ان کی دعوت کا مرکزی نقطہ اور محور بن جاتی ہے، صاف ذہن کے ساتھ ان کے واقعات اور اقوال کا مطالعہ کرنے والا صاف محسوس کرتا ہے کہ آخرت ان کا نصب العین ہے، اور ان کے لئے ایک مرئی اور بدیہی حقیقت ہے، یہ بات ان کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے، اور اس کا یقین ان کے احساسات، اور فکر و دماغ پر چھایا ہوا نظر آتا ہے، اللہ تعالےٰ نے اپنے مومن و مطیع بندوں کے لئے آخرت میں جو نعمتیں مقدر کر رکھی ہیں، اور کافروں اور نافرمانوں کے لئے وہاں جو عذاب مقرر فرما دیا ہے، اس کا ہمہ وقت خیال ہی وہ حقیقی محرک ہے، جو ان کو عقیدہ کی تصحیح، زندگی کی اصلاح، اور رشتۂ عبودیت کی استواری کی دعوت پر ابھارتا ہے، وہ ان کو بے چین رکھتا، اور ان کی راتوں کی نیند، اور دن کا اطمینان اس طرح اڑا دیتا ہے کہ ان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔

سیرت کا ہر ذہین مطالعہ کرنے والا، یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ انبیاء کی ایمان بالآخرۃ کی دعوت، اور اس کی اہمیت کی تبلیغ و تشہیر، صرف اخلاقی یا اصلاحی ضرورت کے تحت نہیں تھی، جس کے بغیر اسلامی معاشرہ کیا کوئی صالح معاشرہ بھی وجود میں نہیں آسکتا،

نہ پاکیزہ تمدن کی بنیاد پڑ سکتی ہے، یہ خیال اپنی جگہ پر صحیح ہے اور ایک تاریخی واقعہ جس کی پوری انسانی تاریخ شہادت دیتی ہے، لیکن انبیاءؑ کا طریق کار اور ان کی سیرت، اسی طرح ان کے نائبین کا طریق کار اس سے مختلف ہے، ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے، کہ انبیاءؑ کے طریق دعوت و تبلیغ میں یہ ایمان، وجدانی کیفیت، اور قلبی جذبہ اور دردمندی کے ساتھ ہوتا ہے، اور دوسرے طریقہ میں وہ ایک ضابطہ اور ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے، اور اخلاقی و معاشرتی ضرورت کی حد تک ہی اس کی تلقین کی جاتی ہے، اور دونوں میں جو فرق ہے، وہ کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

۵۔ پانچواں اَمر یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدائے تعالےٰ ہی حاکم حقیقی اور فرماں روائے مطلق ہے، اور شریعت سازی صرف اس کا حق ہے، اس کا ارشاد ہے:۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ (سورۂ یوسف۔ ۴۰)	خدا کے سوائے کسی کی حکومت نہیں ہے

وہ فرماتا ہے:۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ	کیا ان کے وہ شریک ہیں جنھوں نے
الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ	ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے
(سورۂ شوریٰ۔ ۲۱)	جس کا خدا نے حکم نہیں دیا۔

لیکن درحقیقت خالق و مخلوق، اور عبد و معبود کا تعلق، حاکم و محکوم، آمر و مامور اور ایک بادشاہ اور رعیت کے تعلق سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ عمیق، کہیں زیادہ لطیف، اور کہیں زیادہ نازک ہے، قرآن مجید نے اللہ تعالےٰ کے اسماء و صفات کو جس تفصیل کے ساتھ اور جتنے دل آویز طریقہ پر بیان کیا ہے[1]، اس کا مقصد قطعاً یہ نہیں معلوم ہوتا کہ

---

[1] بطور مثال سورہ حشر کی آخری آیات "هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" سے "وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" تک پڑھئے۔

بندہ سے صرف اتنا مطلوب ہے کہ وہ اس کو اپنا حاکم اعلیٰ، اور آمر مطلق سمجھ لے، اور اس کے اقتدار اعلیٰ میں کسی کو شریک نہ کرے، بلکہ ان اسماء و صفات، اور ان افعال الٰہی کے ذکر کا جن سے قرآن شریف بھرا ہوا ہے، اور ان آیات کا جن میں خدا تعالےٰ سے محبت[1] و تعلق اور بکثرت اور ہمیشہ اس کے ذکر کی ترغیب آئی ہے، صاف تقاضہ یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس سے دل و جان سے محبت کی جائے، اور اس کی طلب و رضا میں جان کھپا دی جائے اس کے حمد و ثنا کے گیت گائے جائیں، اٹھتے بیٹھتے اس کے نام کا وظیفہ پڑھا جائے، اسی کی دھن ہر وقت دل و دماغ میں سمائی رہے، اسی کے خوف سے انسان ہر وقت لرزاں اور ترساں رہے، اسی کے سامنے دست طلب ہر وقت پھیلا رہے، اسی کے جمال جہاں آرا پر ہر وقت نگاہیں جمی رہیں، اسی کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے، مٹا دینے، حتیٰ کہ سر کٹا دینے کا جذبہ بیدار رہے۔

۶۔ دین کے مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات کی اس بحث کے سلسلہ میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام جن کے سرگروہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے، ان کا مخلوق سے، اور ان قوموں سے جن کی طرف وہ بھیجے جاتے ہیں، چٹھی رساں (پوسٹ مین) اور ڈاکیہ جیسا تعلق نہیں ہوتا، جس کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ خطوط اور ڈاک مرسل الیہم تک پہونچا دے، پھر اسے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں، اور ان لوگوں کو اس درمیانی واسطہ اور قاصد سے

---

[1] مثلاً "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" اور "يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ" اور وہ آیات ملاحظہ ہوں، جن میں ذکر اللہ کی ترغیب و تاکید ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی محبت الٰہی، شوق اور تڑپ، اور عزیز ترین چیزوں کی قربانی کا ذکر ہے۔

کوئی مطلب نہیں، وہ اپنے کاموں اور اختیارات میں بالکل آزاد ہیں، اور ان قوموں کا تعلق جن کی طرف انبیاء کرام مبعوث ہوئے، اپنے انبیاء اور رُسل سے محض وقتی اور قانونی تعلق ہوتا ہے، ان کو ان کی سیرت، طور طریق، ذوق ورجحان اور ان کی انفرادی وعائلی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں، یہ وہ غلط، بے بنیاد اور ادھورا تصور ہے، جو ان حلقوں میں رائج تھا، جو نبوت وانبیاء کے بلند مقام سے ناواقف تھے، اور ہمارے اس دور میں ان حلقوں میں پھیلا ہوا ہے، جو مقام سُنّت سے ناواقف اور حدیث اور اس کی حجّیت کے منکر ہیں، اور جن پر مذہب کے مسیحی تصورات کا اثر، اور مغربی طرز فکر کا غلبہ ہے۔

اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام پوری انسانیت کے لئے اسوۂ کامل، اعلیٰ قابلِ تقلید نمونہ، اور اخلاق، ذوق ورجحان، ردّ وقبول، اور وصل وفصل کے بارے میں سب سے مکمل اور آخری معیار ہوتے ہیں، وہ موردِ عنایات الٰہی اور مرکز الطاف وتجلیات ہوتے ہیں، ان کے اخلاق وعادات، اور ان کی زندگی کا طور وطریق سب خدا کی نظر میں محبوب ہیں، زندگی کے طریقوں میں ان کا طریق حیات، انسانوں اور جماعتوں کے اخلاق میں ان کے اخلاق، اور لوگوں کی گوناگوں عادتوں میں ان کی عادتیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتی ہیں، انبیاء جس راستہ کو اختیار کرتے ہیں، وہ راستہ خدا کے یہاں محبوب بن جاتا ہے اور اس کو دوسرے راستوں پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، صرف اس وجہ سے کہ انبیاء کے قدم اس راستہ پر پڑے ہیں، ان کی تمام پسندیدہ چیزوں اور شعائر اور ان سے نسبت رکھنے والی اشیاء اور اعمال سے اللہ کی محبت اور پسندیدگی متعلق ہوجاتی ہے، ان کا اختیار کرنا، اور ان کے اخلاق کی جھلک پیدا کرنا، اللہ کی محبت ورضا سے سرفراز ہونے کا قریب ترین اور سہل ترین راستہ ہوجاتا ہے، اس لئے کہ دوست کا دوست دوست،

اور دشمن کا دوست دشمن سمجھا جاتا ہے، خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ (سورۂ آل عمران۔۳۱)	اے پیغمبر (لوگوں سے) کہدو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کے برعکس جو ظلم پر کمر باندھے ہوئے اور کفر کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں، ان کی طرف دل کا میلان، ان کے طریق حیات کی ترجیح، اور ان سے صوری و معنوی مشابہت، اللہ کی غیرت کو حرکت میں لانے والی، اور اللہ سے بندے کو دور کرنے والی بتائی گئی ہے، فرمایا گیا:۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۝ (سورۂ ہود۔۱۱۳)	اور جو لوگ ظالم ہیں، ان کی طرف مائل نہ ہونا، نہیں تو تمہیں دوزخ کی آگ آ لپٹے گی، اور خدا کے سوا تمہارے اور دوست نہیں ہیں (اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہو گئے) تو پھر تم کو (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی۔

ان پیغمبرانہ مخصوص عادات واطوار کا نام شریعت کی زبان اور اصطلاح میں "خصال فطرت" اور "سُنَنُ الھُدےٰ" ہے، جس کی شریعت تعلیم و ترغیب دیتی ہے، ان اخلاق

وعادات کا اختیار کرنا لوگوں کو انبیاء کے رنگ میں رنگ دیتا ہے' اور یہ وہ رنگ ہے'
جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (سورۂ بقرہ۔ ۱۳۸)	(کہدو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کرلیا) اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے' اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔

ایک عادت کی دوسری عادت' ایک اخلاق کے دوسرے اخلاق' ایک طور طریق کے دوسرے طور طریق پر دین وشریعت میں ترجیح کا یہی راز ہے' اسی وجہ سے اس کو شریعت اسلامی اہلِ ایمان کا شعار' فطرت کے تقاضہ کی تکمیل' اور اس کے خلاف طریقوں کو فطرت سلیم سے انحراف' اور اہلِ جاہلیت کا شعار قرار دیتی ہے' اور ان دونوں طریقوں اور راستوں میں (باوجود اس کے کہ اس طرف بھی عقل وخرد رکھنے والے متمدن انسان ہیں' اور اس طرف بھی) محض اس بات کا فرق ہے کہ ایک خدا کے پیغمبروں اور اس کے محبوب بندوں کا اختیار کیا ہوا ہے' دوسرا ان لوگوں اور قوموں کا جن کے پاس ہدایت کی روشنی اور آسمانی تعلیمات نہیں ہیں' اس اصول کے تحت کھانے پینے' کاموں میں دائیں بائیں ہاتھ کا فرق' لباس وزینت' رہنے سہنے اور تمدن کے بہت سے اصول آجاتے ہیں' اور یہ سنت سنت نبوی اور فقہ اسلامی کا ایک وسیع باب ہے۔[1]

جہاں تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق ہے' وہاں اس پہلو پر اور زیادہ زور دینے اور اس کا زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے'

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "منصب نبوت اور اس کے بلند مقام حاملین" ص ۱۱۰-۱۲۰

آپ کی ذات کے ساتھ صرف ضابطہ اور قانون کا تعلق کافی نہیں، روحانی اور جذباتی تعلق اور ایسی گہری اور دائمی محبت مطلوب ہے، جو جان و مال، اہل و عیال کی محبت پر فوقیت لے جائے، صحیح حدیث میں آیا ہے :۔

لا یؤمن أحدکم حتی أکون احبّ إلیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین۔[1]	اس وقت تک تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا، جب تک میں اس کو اپنی اولاد، والدین، اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

دوسری حدیث میں ہے :۔

لا یؤمن أحدکم حتی أکون احب إلیہ من نفسہ۔[2]	تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہ ہوگا، جب تک میں اسے اپنی ذات سے زیادہ عزیز و محبوب نہ ہوں۔

اس سلسلہ میں ان تمام مخالف اسباب و محرکات سے محفوظ و محتاط رہنے کی ضرورت ہے، جو اس محبت کے سوتوں کو خشک یا اس کو کمزور کرتے ہیں، جذبات و احساسات محبت میں افسردگی، سنت پر عمل کرنے کے جذبہ میں کمزوری، اور آپ کو "داناۓ سبل، ختم الرسل، مولاۓ کل" سمجھنے میں تردد، اور سیرت و حدیث کے مطالعہ سے روگردانی اور بے توجہی کا سبب بنتے ہیں، سورۂ احزاب، سورۂ حجرات، اور سورۂ فتح وغیرہ قرآنی سورتوں کے غائر مطالعہ اور تشہد و نماز جنازہ میں درود و صلوٰۃ کی شمولیت پر غور و فکر، قرآن میں درود کی ترغیب اور درود کی فضیلت میں بکثرت وارد ہونے والی احادیث کا راز سمجھنے کا یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ

---

[1] بخاری و مسلم [2] مسند احمد

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک مسلمان سے اس سے کچھ زیادہ مطلوب ہے جس کو صرف قانونی اور ضابطہ کا تعلق کہا جاتا ہے، اور جو محض ظاہری اطاعت سے پورا ہو جاتا ہے، بلکہ وہ پاس و ادب، محبت اور تشکر و امتنان کا جذبہ بھی مطلوب ہے، جس کے سرچشمے دل کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہوں، اور جو رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہو، اسی پُر محبت احترام اور احترام آمیز محبت کو قرآن نے "تعزیر" و "توقیر" کے لفظ سے ادا کیا ہے۔

وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ (سورۂ فتح۔۹) اس کی مدد کرو، اور اس کو بزرگ سمجھو۔

اس کی تابندہ اور روشن مثالیں غزوۂ رجیع کے موقعہ پر حضرت خُبیب ابن عدی، اور زید ابن الدثنہ کے واقعہ، غزوۂ اُحد کے موقعہ پر ابو دجانہ اور حضرت طلحہ کے طرز عمل، غزوۂ احد میں بنی دینار کی مسلمان خاتون کے جواب، صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی والہانہ محبت، اور ادب و احترام میں دیکھی جا سکتی ہیں، جن کی بناء پر ابو سفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ میں نے کسی کو کسی سے اس طرح محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جس طرح محمدؐ کے ساتھی محمدؐ سے محبت کرتے ہیں" اور قریش کے قاصد عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ "قسم بخدا میں نے کسریٰ اور قیصر کے دربار بھی دیکھے ہیں، میں نے کسی بادشاہ کی ایسی عزت ہوتے ہوئے نہیں دیکھی، جس طرح محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی عزت کرتے ہیں"[1]

---

[1] پورے واقعات سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائے جائیں، زید ابن الدثنہ کو جب قتل گاہ میں لے جایا جا رہا تھا، تو ابو سفیان نے ان سے کہا کہ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ محمدؐ تمہاری جگہ پر ہوں، اور تم اپنے گھر میں مامون و محفوظ ہو؟ حضرت زید نے کہا "خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی منظور نہیں کہ محمدؐ جہاں ہیں، وہیں ان کے کوئی کانٹا بھی چبھے، اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا ہوں" (سیرت ابن ہشام ق ۲ ص ۱۷۲) بنی دینار کی ایک مسلمان

(باقی ص ۴۹ پر)

اس عشق رسول سے ان علمائے راسخین، مصلحین و مجددین، زعماء و قائدین کو بہرہ وافر ملا جنھوں نے دین کی حقیقی روح کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا، اور جن کے مقدر میں دین و ملت کے احیاء و تجدید کا اہم کارنامہ انجام دینا تھا، اس پاک محبت کے بغیر جو شرعی احکام و آداب کے تابع و اسوۂ صحابہؓ کے اتباع و تقلید کے ساتھ ہو اسوۂ رسول کی کامل پیروی و اتباع، جادۂ شریعت پر استواری، نفس کا دیانت دارانہ محاسبہ اور "عسر و یسر" اور طبیعت کی آمادگی و گرانی (منشط و مکرہ) میں خدا و رسول کی فرمانبرداری ممکن نہیں، یہی (کثیر النوع) نفسیاتی امراض کا علاج، تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کا مؤثر ذریعہ ہے، محبت کی ایک لہر خس و خاشاک کو بہالے جاتی، اور رگ و ریشہ، اور جسم و جان میں اس طرح دوڑ جاتی، اور جذب ہو جاتی ہے۔ ع

شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

مسلمان جو کبھی خدا اور رسول کے عشق کی بدولت شعلۂ جوالہ تھے، اس کے بغیر اور چوب خشک اور سرد خاکستر بنے ہوئے ہیں ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

۷۔ اس دین کی ایک خصوصیت اس کی کاملیت اور دوام ہے، کیونکہ یہ اعلان

(باقی ۴۸ کا) خاتون کے شوہر بھائی اور باپ غزوۂ احد میں کام آئے، جب ان کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو ان کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ الحمد للہ آپ خیریت سے ہیں، انھوں نے کہا کہ مجھے دیدار کرا دو، جب ان کی نظر چہرۂ مبارک پر پڑی تو بول اٹھیں "آپکے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے" (ابن ہشام) ابو دجانہؓ نے اپنے کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ڈھال بنا دیا (بخاری) اور حضرت ابو طلحہؓ نے اپنے ہاتھ کو سپر بنا دیا، یہاں تک کہ وہ حرکت و استعمال کے قابل نہیں رہا۔ (الاصابہ)

کر دیا گیا ہے کہ عقائد و شریعت اور دنیا میں جن چیزوں پر سعادت کا، اور آخرت میں نجات کا دارومدار ہے' ان کی مکمل تعلیم دی جا چکی' اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ	محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے
وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ	والد نہیں ہیں' بلکہ خدا کے پیغمبر اور
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝	خاتم النبیین ہیں' اور خدا ہر چیز سے
(سورۂ احزاب ـ ۴۰)	واقف ہے۔

اور قرآن نے "عربی مبین" میں صاف صاف کہدیا کہ یہ دین اپنے کمال' انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کی تکمیل اور بقائے دوام کی صلاحیت کی آخری منزل پر پہونچ چکا، اور فرما دیا گیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ	آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ	کر دیا، اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں
دِيْنًا ۝ (سورۂ المائدہ ـ ۳)	اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ آیت عرفات کے دن حجۃ الوداع کے موقعہ پر ۱۰ھ میں نازل ہوئی' بعض ذہین یہودی علماء جو قدیم مذاہب کی تاریخ سے واقف تھے بھانپ گئے کہ یہ وہ اعزاز ہے جو تنہا مسلمانوں کو بخشا گیا ہے اور یہ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب و ملت شریک نہیں' انھوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے امیر المومنین آپ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں' جو اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس روز عید مناتے[۱]

---

[۱] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کہاں اور کب نازل ہوئی، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اس وقت کہاں تشریف فرما تھے' وہ عرفات کا دن تھا (بخاری کتاب التفسیر

(باقی ص ۵۱ پر)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا انقطاع واختتام، انسانیت کا اعزاز اور اس کے ساتھ رحمت وشفقت کا نتیجہ تھا، اور اس کا اعلان تھا کہ اب انسانیت سن بلوغ اور پختگی وکمال کے مرحلہ کو پہونچ گئی، اور اپنے اس تنگ دائرہ سے نکل چکی ہے، جس میں وہ صدیوں تک رہی تھی، اب وہ علم وتمدن، باہمی تعارف، عالمی وحدت، اور تسخیر کائنات کے مرحلہ میں داخل ہو رہی ہے، اور اس کی امید پیدا ہو گئی ہے کہ وہ طبیعیاتی رکاوٹوں، جغرافی تقسیم، اور علٰحدگی پسندی کے رجحانات پر قابو حاصل کرلے گی، قوم ووطن کے بجائے اب وہ کائنات، وسیع انسانیت، عالمگیر ہدایت، اور مشترک علم وفن کے مفہوم سے آشنا ہو رہی تھی، اور زندگی کے میدان میں طبیعی قوتوں، قدرتی وسائل، عقل مؤمن وقلب سلیم اور مشترک جدوجہد سے کام لینے کے لئے تیار ہو رہی تھی۔

زمانۂ قدیم میں اس حقیقت کے گنجلک ہونے، حق وباطل کی آمیزش، اور کثرت سے ایسی دعوتوں کے وقتاً فوقتاً ظہور کی وجہ سے جو آسمان کے ساتھ تعلق خاص، اور آسمانی تعلیمات کے براہ راست حاصل کرنے کی غلط طریقہ پر مدعی تھیں، لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دیتیں، اور اسی بنیاد پر ان کو مومن وکافر کے طبقوں میں بانٹتی تھیں، سابقہ امتوں اور قوموں کو بڑے مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، یہودی اور مسیحی دنیا میں ایسے مدعیان نبوت کا پیدا ہونا ایک فیشن بن گیا، اور وہ وقت کا ایک اہم مسئلہ بن گئے، جس نے ذہنی اور دینی توانائیوں کو کوئی اور مفید کام کرنے کے بجائے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مشغول کر لیا، یہودی اور مسیحی معاشرے میں انتشار، افراتفری، اور نفسیاتی

(باقی صفحہ ۵ کا) یعنی ہمیں کسی نئے جشن کی ضرورت نہیں، وہ دن خود عید کا دن تھا، اور اسلام بڑے بڑے واقعات پر دوسرے مذاہب کی طرح جشن وعید منانے کا دین نہیں ہے۔

وعقلی کشمکش پیدا کر دی۔[1]

سلسلۂ نبوت کے خاتمہ سے انسانی صلاحیتیں اور قوتیں اس خطرہ سے محفوظ ہوگئیں کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ اور تھوڑی تھوڑی دور کے فاصلہ پر ایک نئے نبی یا دعوت کا ظہور ہو، اور دینی معاشرہ سارے مسائل سے صرف نظر کر کے اس کی حقیقت معلوم کرنے اور اس کی تصدیق و تکذیب کا فیصلہ کرنے میں لگ جائے، اس طرح محدود انسانی قوت کو اس روز روز کی مشغولیت اور آزمائش سے بچا لیا گیا، اور بجائے اس کے کہ نسل انسانی (نئی وحی وہدایات کے لئے) بار بار آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے، اور...... نبی اور مستقل رہنمائی کی طالب و منتظر رہے، اس کو اپنی خداداد صلاحیتوں، اور طاقتوں کے استعمال کے لئے کائنات اور اس زمین پر توجہ کرنے کی دعوت دی گئی، اور اس طرح فکری انتشار، ذہنی کشمکش اور وحدت اجتماعی کے پارہ پارہ ہونے سے وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔

اس عقیدہ ہی کی بنیاد پر یہ امت خطرناک سازشوں کا مقابلہ کر سکی، اور دین وعقائد کی وحدت کی حفاظت کا فریضہ انجام دے سکی، اس کا ایک روحانی مرکز، ایک عالمی ثقافتی اور علمی سرچشمہ اور ایک قطعی تشخص ہے، جس سے اس کا گہرا اور قوی ربط ہے، اس کی بنیاد پر ہر زمانہ میں مسلمانوں میں اجتماعیت اور اتحاد قائم ہو سکتا ہے، اس سے ذمہ داری کا قوی احساس ابھرتا ہے، اور معاشرہ میں اس سے فساد کے ازالہ، حق و انصاف کے قیام، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دین خالص کی دعوت کا کام لیا جا سکتا ہے، امت کو اب نہ کسی نئے نبی کی بعثت کی ضرورت ہے، اور نہ کسی ایسے "امام معصوم" کے ظہور کی جو انبیائے کرام کے کام کو اچھے

---

[1] اس ذہنی پریشانی اور مسئلہ کی سنگینی کے سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمائیے (ENCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS - ج ۸ص ۸۸۸) EDWIN KNOX MITHELL کا مقالہ۔

خاتم بدہن وہ مکمل نہ کر سکے) کی تکمیل کرے[1]، اور نہ اسلامی نشأۃ ثانیہ اور جدید دینی تحریک کے لئے کسی پُراسرار دعوت یا شخصیت پر اعتماد کی ضرورت ہے، جو عقل کے احاطہ میں نہ آئے، اور حقائق ظاہری سے بالاتر ہو، اور جس سے مفاد پرست، طالع آزما اور سیاسی اغراض کی تکمیل کے خواہش مند فائدہ اٹھالیں" ذلك من فضل الله علينا وعلى الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون"

۸۔ اس دین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اصل حقیقت، زندگی اور تروتازگی کے ساتھ باقی ہے، اس کی کتاب محفوظ اور ہر دور میں قابل فہم ہے، اس کی حامل امت عام گمراہی اور جہالت اور اس اجتماعی انحراف، فریب خوردگی اور کسی سازش کا شکار ہو جانے سے محفوظ ہے، جس میں بہت سے مذاہب اور ملتیں اپنی تاریخ کے کسی دور میں اور بیروان مسیحیت بالکل ابتداء ہی میں مبتلا ہو گئے تھے، قرآن کا یہ اعجاز اور اس کے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے کہ اس نے قرآن مجید کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورۃ (فاتحہ) میں عیسائیوں کو "وَلَا الضَّالِّيْنَ" کے لقب سے ممیز و مشخص کیا، اس لفظ اور وصف کے (جو یہودیوں کے وصف "الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ" سے مختلف ہے) کی تخصیص کا راز وہی سمجھ سکتا ہے، جو مسیحیت کی تاریخ اور اس کے نشوو۔۔ ارتقاء کے مراحل سے بخوبی واقف ہے مسیحیت بالکل ابتدائی مرحلہ میں (جس کو دور طفولیت کہنا بجا ہوگا) اس جادۂ حق سے ہٹ گئی جس پر حضرت مسیح علیہ السلام اس کو چھوڑ کر گئے تھے، اور بالکل ایک دوسری سمت کی طرف اس کا قافلہ رواں دواں ہو گیا، اس سلسلہ میں صرف ایک شہادت کافی ہے، ایک مسیحی فاضل (ERNEST DE BUNSEN) اپنی کتاب (ISLAM OR TRUE CHRISTIANITY) میں لکھتا ہے۔

---

[1] جیسا کہ بہت سے اثنا عشریوں کا عقیدہ ہے۔

"جس عقیدہ اور نظام کا ذکر ہمیں انجیل میں ملتا ہے اس کی دعوت حضرت مسیحؑ نے اپنے قول و عمل سے کبھی نہیں دی تھی، اس وقت عیسائیوں اور یہودیوں و مسلمانوں کے درمیان جو نزاع قائم ہے اس کی ذمہ داری حضرت مسیحؑ کے سر نہیں ہے بلکہ یہ سب اس یہودی، عیسائی بے دین پال کا کرشمہ ہے نیز صحف مقدسہ کی تمثیل و تجسیم کے طریقہ پر تشریح، اور ان صحیفوں کو پیش گوئیوں اور مثالوں سے بھر دینے کا نتیجہ ہے پال نے اسٹیفن (STEPHEN) کی تقلید میں جو مذہب ایسانی (ESSENIO) کا داعی ہے، حضرت مسیحؑ کے ساتھ بہت سی بودھ رسوم وابستہ کر دیں، آج انجیل میں جو متضاد کہانیاں اور واقعات ملتے ہیں، اور جو حضرت مسیحؑ کو ان کے مرتبہ سے بہت فروتر شکل میں پیش کرتے ہیں، وہ سب پال کے وضع کئے ہوئے ہیں حضرت مسیحؑ نے نہیں، بلکہ پال اور ان کے بعد آنے والے پادریوں اور راہبوں نے اس سارے عقیدہ و نظام کو مرتب کیا ہے، جس کو آرتھوڈکس مسیحی دنیا نے اٹھارہ صدیوں سے اپنے عقیدہ کی اساس قرار دے رکھا ہے۔"[1]

اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے:-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (سورۂ حجر - ۹)	بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہمیں اس کے نگہبان ہیں۔

فضل و احسان جتانے کے ایسے خصوصی موقعہ پر اور حفاظت کے وعدہ کے ایسے صریح اعلان میں اس کے مطالب کا فہم، ان کی تشریح، اس کی تعلیمات پر عمل، اور زندگی میں ان کا انطباق بھی قدرۃً شامل ہو جاتا ہے، ایسی کتاب کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے اور اس کی

---

[1] ISLAM OR TRUE CHRISTIANITY - P. 128

حفاظت کا کیا فائدہ اور نتیجہ ہے، جو مدت تک فہم کے لحاظ سے چیستان، اور عمل کے لحاظ سے معطل اور متروک رہے؟ خود عربی زبان کا بلیغ لفظ "حفظ" جس کا "وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" میں وعدہ کیا گیا ہے، بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔

پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ فرمایا گیا:۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝	اس (قرآن) کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے، جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اس کو سنا کرو) پھر اسی طرح پڑھو پھر اس (کے معنی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔
(سورۂ القیامۃ - ۱۷-۱۸-۱۹)	

پھر وہ دین یوں بھی قابل اعتماد نہیں جس پر صرف چند مختصر وقفوں میں (جن کے درمیان ایسے وسیع اور گہرے خلا رہے ہیں، جن میں تاریکی اور ظلمت چھائی رہی) عمل کیا گیا، وہ درخت جو ایک طویل اور بہتر سے بہتر موسم پانے کے باوجود پھل نہ دے قابل اعتناء و اعتماد نہیں ہو سکتا، اور اس پر "تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا"[1] کی قرآنی مثال صادق نہیں آ سکتی پھر یہ امت صرف امت دعوت، اور اس کتاب آسمانی و پیغام الٰہی کے مخاطب ہی نہیں، وہ اس دین و پیغام کی حامل، اس کو دنیا میں پھیلانے اس کی تفہیم و تشریح کرنے، اس پر عمل کی دعوت دینے، اور خود اس کا نمونہ بننے کی بھی ذمہ دار ہے، اس لئے اس کا فہم کتاب ایک ایسی قوم کے فہم سے زیادہ ہونا چاہیئے جس کی صرف خصوصیت یہ ہے کہ اس کی زبان میں یہ کتاب اتری ہے۔

---

[1] وہ درخت ہر زمانہ میں اپنے رب کی اجازت سے پھل دیتا ہے۔ (سورۂ ابراہیم - ۲۵)

۹۔ آخری بات یہ ہے کہ اسلام کو ایک معاون فضا، بلکہ زیادہ واضح اور محتاط الفاظ میں ایک مناسب موسم اور متعین درجہ حرارت وبرودت (TEMPERATURE) کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ ایک زندہ انسانی دین ہے، وہ کوئی عقلی اور نظریاتی فلسفہ نہیں جو صرف دماغ کے کسی خانہ، یا کتب خانہ کے کسی گوشہ میں موجود و محفوظ ہو، وہ بیک وقت عقیدۂ و عمل، رسوم و اخلاق، جذبات واحساسات، اور ذوق کے مجموعہ کا نام ہے، وہ انسان کو نئے سانچہ میں ڈھالتا، اور زندگی کو نئے رنگ میں رنگتا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اسلام کو "صبغۃ اللہ" کی صفت سے یاد فرماتا ہے، صبغۃ ایک رنگ، امتیازی نشان، اور نمایاں چھاپ ہے، اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ حسّاس (SENSITIVE) واقع ہوا ہے، اس کے متعین و معروف حدود ہیں، جن سے کوئی مسلمان تجاوز نہیں کرسکتا، کسی دوسرے مذہب میں "ارتداد" کا نہ وہ واضح مفہوم پایا جاتا ہے، نہ اس کی وہ شناعت اور قباحت ہے، جو اسلامی شریعت اور اسلامی تصور میں پائی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایات، آپ کا اسوۂ مبارکہ و سُنّت، (عقائد و عبادات سے لے کر اخلاق و معاملات، اور احساسات و جذبات تک) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں، جس میں دین کا پودہ سرسبز اور بار آور رہتا ہے، کیونکہ دین زندگی کے تمام شرائط و صفات (نمو و حرکت، اہتزاز و فرحت، نفرت و کراہیت، احساس برتری و فخر) کا مجموعہ ہے، اس لئے وہ پیغمبر کے جذبات و احساسات اور اس کی زندگی کے واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اور اس کا بہترین مجموعہ احادیث صحیحہ، اور محفوظ و مدوّن سنّت نبوی ہے، دین ایک مثالی اور معیاری ماحول کی نظیر کے بغیر زندہ و شاداب نہیں رہ سکتا، اور یہ ماحول حدیث نبوی کے ذریعہ

محفوظ ہے، اس لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ حامل قرآن کے صحیفۂ حیات کی بھی حفاظت فرمائی، اسی کی بدولت حیاۃ طیبہ کی فیض رسانی اور حیات بخشی کا امتداد و تسلسل اس وقت تک باقی ہے، اسی کے نتیجہ میں علمائے امت "معروف" و "منکر" "سنت" و "بدعت" ا.ر "اسلام" و "جاہلیت" میں ہر دور میں فرق کرنے کے قابل ہوئے، اور ان کے پاس وہ بیرومیٹر (BAROMETER) (ہوا کا دباؤ ناپنے کا آلہ) رہا، جس سے وہ اپنے دور کے مسلمان معاشرہ کے اصل اسلامی عقیدہ و عمل سے بُعد و انحراف کی پیمائش کرتے رہے، وہ امت کے دینی محاسبہ کا عمل جاری اور اصل دین کی دعوت کے فریضہ کو ہر دور میں قائم اور باقی رکھ سکے، سنت و حدیث کے یہ مجموعے، (جن میں صحاح ستہ ممتاز و معروف ہیں)[1] اور ان کے درس و تدریس، نشر و اشاعت کی مشغولیت اور مواقع ہمیشہ اصلاح و تجدید، اور امتِ اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں، انھیں کی مدد سے اصلاح کا بیڑہ اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں شرک و بدعت اور رسوم جاہلیت کی تردید و مخالفت اور سنت کی اشاعت و ترویج کا جھنڈا بلند کیا، اسی ذخیرہ نے علمائے دین اور اہل شعور کو شر و فساد، اور بدعاتؐ و ضلالت کی طاقتوں اور تحریکوں سے پنجہ آزمائی کرنے، اور ان کے مقابلہ میں کفن بردوش ہو کر صف آرا ہو جانے پر آمادہ کیا، اور تاریخ کی شہادت ہے کہ اس امت میں اصلاح و تجدید کی تاریخ علم حدیث سے واقفیت و اشتغال اور سنت کی محبت و حمایت سے وابستہ و مربوط ہے، جب بھی حدیث و سنت کی کتابوں سے علمی حلقوں کے تعلق و واقفیت میں کمی آئی،

---

[1] یعنی صحیح بخاری صحیح مسلم سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، امام مالک کی مؤطا بھی اسی درجہ کی کتابوں میں آتی ہے۔

اور دوسرے علوم وفنون میں ان کا انہماک بڑھا مسلم معاشرہ اہل صلاح واہل کمال کی موجودگی میں نئی نئی بدعات، جاہلی وعجمی رسم ورواج، غیر مسلموں کے اختلاط، اور مذاہب غیر کے اثرات کا شکار ہو گیا، اور کبھی کبھی یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا، کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا ایڈیشن اور اس کا مکمل عکس نہ بن جائے۔[1]

یہ ہے دین کا وہ خاص مزاج، اور اس کے امتیازی صفات اور نمایاں خط وخال جن سے دین کی اس شخصیت کی نمود اور بقا ہے، جو اس کو دوسرے مذاہب اور فلسفوں سے ممتاز کرتی ہے، ایک مسلمان کو اس سے واقف بھی ہونا چاہیئے، اور اس کے بارے میں اس کے اندر شدید غیرت وحمیت بھی پائی جانی چاہیئے، اسی کے ذریعہ ہم ہر دور میں حق وباطل کی آویزش نیز آمیزش میں (جو بعض اوقات آویزش سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے) دین صحیح کی صراط مستقیم پر قائم بھی رہ سکتے ہیں، اور اس کی خدمت وحفاظت کی سعادت وتوفیق بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ "واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم"

---

[1] اس اجمال کی تفصیل اور اس دعویٰ کے تاریخی شواہد ودلائل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کا رسالہ "اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار" شائع کردہ مجلس نشریات اسلام" کراچی۔

اہل سنت والجماعۃ کے عقائد

صحیح عقائد کا حقیقی سرچشمہ اور قابل اعتماد ماخذ

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے ذریعہ جو علوم و معارف انسانوں تک پہونچے ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ، اہم اور ضروری علم خدا تعالےٰ کی ذات، صفات اور افعال کا علم ہے، اس علم کا مصدر و منبع صرف انبیاء کرام ہیں، کیونکہ اس علم کے وسائل و ذرائع، اور اس کی ابتدائی معلومات و تجربات بھی انسان کے دسترس سے باہر ہیں، یہاں قیاس کی سرے سے بنیاد ہی نہیں، خدا تعالےٰ کا کوئی شبیہ و نظیر نہیں، اور وہ ہر طرح کی مشابہت و مماثلت سے منزّہ، پاک اور بلند و برتر ہے، وہ ہر اس خیال، مشاہدہ اور احساس سے وراء الوراء ہے، جن سے انسان واقف و مانوس ہے، اور جن سے وہ مادی وحسی دنیا میں کام لیتا ہے، یہاں عقل و قیاس اور ذہانت و ذکاوت بھی کچھ مدد نہیں کرسکتے، کیونکہ یہ وہ میدان نہیں ہے، جہاں عقل کے گھوڑے دوڑائے جائیں، اور قیاسات کی پتنگیں اڑائی جائیں، شاعر نے صحیح کہا ہے ؎

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم | وز ہر چہ گفتہ ایم شنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر | ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

یہ علم اس لئے سب سے برتر اور افضل قرار دیا گیا کہ اسی پر انسانوں کی سعادت و فلاح موقوف ہے، اور یہی عقائد و اعمال، اخلاق و تمدن کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ انسان اپنی حقیقت سے واقف ہوتا، کائنات کی پہیلی بوجھتا، اور زندگی کا راز معلوم کرتا ہے، اسی سے اس عالم میں اپنی حیثیت کا تعین کرتا، اور اسی کی بنیاد پر اپنے ہم جنسوں سے اپنے تعلقات استوار کرتا ہے، اپنے مسلک زندگی کے بارے میں فیصلہ اور پورے اعتماد، بصیرت اور وضاحت کے ساتھ اپنے مقاصد کا تعین کرتا ہے۔

سی لئے ہر قوم و نسل اور ہر دور و طبقہ میں اس علم کو سب سے بلند درجہ دیا گیا اور ہر سنجیدہ مخلص، بامقصد اور انجام کی فکر رکھنے والے انسان نے اس علم سے گہری دلچسپی اور شغف کا اظہار کیا، کیونکہ اس علم سے ناواقفیت (خواہ شعوری و ارادی ہو یا غیر شعوری وغیر ارادی) ایسی محرومی کا سبب ہے جس کے بعد کوئی محرومی نہیں، اور ایسی ہلاکت وبربادی کا باعث جس سے بڑھ کر کوئی ہلاکت وبربادی نہیں۔

اس سلسلہ میں زمانۂ ماضی میں عام طور پر دو طبقے رہے ہیں:۔

ا۔ ایک طبقہ وہ ہے جس نے اس علم کے حصول کے لئے خدا کے ان پیغمبروں پر اعتماد کیا جن کو اللہ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا، اپنی صحیح معرفت عطا کی، اور اپنی ذات وصفات، اور اپنی مرضیات سے واقفیت کے لئے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان واسطہ بنایا، اور ان کو یقین کی ایسی دولت بخشی جس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں، وہ "نور" عطا کیا، جس سے زیادہ بصیرت افروز اور قابل اعتماد کوئی روشنی نہیں ہو سکتی:۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ مَلَكُوتَ — اور اس طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ٥ (سورۂ الانعام - ۷۵)

اور زمین کی بادشاہت کے جلوے دکھاتے تھے، تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔

اسی جماعت انبیاء کے ایک فرد (حضرت ابراہیمؑ) نے اپنی قوم کو جب وہ اُن سے خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں (بغیر کسی علم اور بغیر کسی نور کے) کٹ حجتی کر رہی تھی، جواب دیا:۔

اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ (سورۂ الانعام - ۸۰)

کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں ردوکد کرتے ہو، حالانکہ اس نے مجھے راہ حق دکھادی ہے۔

اس طبقہ کے افراد نے انبیائے کرام کا دامن تھام کر اور ان کے عطا کئے ہوئے بنیادی حقائق و عقائد کی روشنی میں کائنات و انفس میں غور و تفکر، اور آیات الٰہی اور صحیفۂ آسمانی میں تدبّر کا سفر شروع کیا، اور اس کی مدد سے عمل صالح، تزکیۂ نفس، اور تہذیب اخلاق کا کام صحیح خطوط پر انجام دیا، انھوں نے عقل سے کام لینا چھوڑا نہیں، صرف یہ کیا کہ اس کو صحیح راستہ پر ڈال کر اس سے وہ خدمت لی جو اس کے کرنے کا کام، اور اس کا اصلی فائدہ تھا، انھوں نے دیکھا کہ اس کے بعد انبیاءؑ کی تعلیمات اور ان کے نتائج غور و فکر میں مکمل ہم آہنگی ہے، اور وہ ایک دوسرے پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں، اور ان کے ایمان و یقین میں اضافہ پر اضافہ ہوتا جاتا ہے:۔

وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ٥ (سورۂ الاحزاب - ۲۲)

اور اس سے ان کے ایمان و اطاعت میں اضافہ و ترقی ہی ہوئی۔

۲- دوسرا گروہ وہ ہے، جس نے اپنی ذہانت اور علم پر کُلّی اعتماد و انحصار کیا، عقل کی لگام آزاد چھوڑ دی، اور قیاس کے گھوڑے دوڑائے، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے مطالعہ اور تحقیق میں اس طرح بے باکانہ تحلیل و تجزیہ سے کام لیا، جس طرح کسی کیمیاوی تجربہ گاہ (لیبارٹری) میں طبیعیاتی قوت، یا کسی نباتاتی وجود کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں "وہ ایسا ہے" "وہ ایسا نہیں ہے" کے بے دھڑک فیصلے کرنے شروع کر دیئے، ان کے یہاں اس سلسلہ میں "وہ ایسا نہیں ہے" کی مقدار "وہ ایسا ہے" کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی، اور یہ واقعہ ہے کہ جب انسان یقین و روشنی سے محروم ہو، تو اس کے لئے "نفی" "اثبات" سے زیادہ آسان ہوتی ہے، اسی لئے فلاسفۂ یونان کے الٰہیات میں نتائجِ بحث و تحقیق اکثر منفی ہیں، اور کوئی دین، کوئی تہذیب، کوئی نظامِ حیات بھی "نفی" پر قائم نہیں ہوتا، یہ انبیائے کرام کی شان نہیں ہے جو "ماوراءِ حس و عقل" حقائق کے بارے میں[1] "دیدۂ بینا اور گوشِ شنوا" رکھتے ہیں۔

اسی لئے حکمائے یونان کا الٰہیاتی فلسفہ، متضاد خیالات و نظریات، اور قیاسات و تخمینات کا ایک جنگل ہے، جس میں آدمی گم ہو جائے، یا ایک بھول بھلیاں ہے جس میں داخل ہونے کے بعد نکلنے کا راستہ نہیں ملتا، اس گروہ میں پیش پیش وہ یونانی فلاسفہ ہیں، جو

---

[1] یاد رہے کہ "ماوراءِ عقل" اور "مخالفِ عقل" میں بڑا فرق ہے، جو چیز "ماوراءِ عقل" ہے، بالکل ضروری نہیں کہ مخالفِ عقل بھی ہو، ماوراءِ عقل کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ عقل کے حدود سے باہر ہے، اور تنہا عقل اس کے علم و ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے، بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ "مخالفت دوسری چیز ہے اور نارسائی دوسری چیز، اس لئے کہ مخالفت پہونچنے کے بعد متصور ہو سکتی ہے۔" مکتوب ۲۳/۳

زمانۂ قدیم سے ذہانت وذکاوت طباعی، فلسفیانہ نکتہ آفرینی، شعر و شاعری، اور علم وفن میں مشہور رہے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ علم الٰہیات میں ان میں سے کسی چیز کو مطلق دخل نہیں، اس لئے ان کی تمام کوششیں رائیگاں، اور "کوہ کندن وکاہ برآوردن" کے مرادف ثابت ہوئیں، اور وہ اس بحر ظلمات میں اسی طرح غوطے کھاتے رہے، جس کی تصویر کشی قرآن پاک کی اس آیت سے بہتر نہیں ہو سکتی:۔

فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۠ (سورۂ النور۔ ۴۰)	گہرے سمندر کی اندھیری، اور سمندر کو لہروں (کی چادر) نے ڈھانک رکھا ہو ایک لہر کے اوپر دوسری لہر، اور لہروں کے اوپر بادل چھایا ہوا، گویا تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوں، ایک تاریکی پر دوسری تاریکی، آدمی اگر خود اپنا ہاتھ نکالے تو امید نہیں کہ سجھائی دے اور جس کسی کے لئے اللہ ہی نے اجالا نہیں کیا تو پھر اس کے لئے روشنی میں کیا حصہ ہو سکتا ہے۔

ان کے پاس نہ ہدایت کی کوئی روشنی تھی، نہ علم وعرفان کی کوئی کرن، نہ محسوسات، سابقہ تجربات، ابتدائی مقدمات، اور بنیادی معلومات کا کوئی سہارا، جس کے ذریعہ مجہول تک پہونچنا ممکن ہوتا ہے[1]۔

---

[1] عقل واستدلال کو کسی نتیجہ تک پہونچنے اور کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے کس طرح ابتدائی معلومات اور محسوسات کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ ان کی مدد سے "مجہول" سے "معلوم" تک پہونچتی ہے اس کی

(باقی ص ۶۴ پر)

مزید برآں یہ کہ وہ قدیم، بوسیدہ اور رگ دپے میں سرایت کی ہوئی شرک و بت پرستی کا شکار، اور ان خرافات وبے بنیاد روایات کے کشتہ وزخم خوردہ تھے، جو ان کے فلسفہ، شعروشاعری، ادب اور مذہب میں رچی بسی، اور ان کے جسم وجان میں پیوست تھیں، افلاک اور عقول کے بارے میں وہ ایک مشرکانہ فلسفہ رکھتے تھے، جو نسلاً بعد نسلٍ ان کو وراثت میں ملتا چلا آرہا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کا الٰہیاتی فلسفہ فلسفہ اور یونانی علم الاصنام (GREECE MYTHOLOGY) کا ایک آمیزہ تھا، انھوں نے اپنے نظریات اور خیالات واوہام کے بڑے شاندار اور مرعوب کن نام رکھ رکھے تھے" اور ان کو فلسفہ وفن کی حسین وجمیل پوشاک پہنا رکھی تھی۔

ہندوستان کے علاوہ (جو اپنے خاص فلسفہ (ویدانت) اور دیومالا میں مشہور رہا ہے) عام طور پر مختلف قوموں کے متکلمین وفلاسفہ نے انھیں کی تقلید کی، اور ریاضیات وعلم ہندسہ اور بعض طبیعیاتی علوم میں ان کی مہارت وفن کاری کا لوہا مان کر ان پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آئے، اور ان کی تحقیقات کو مسلّمہ حقائق کا درجہ دے دیا، ہمیشہ سے انسانوں کی یہ کمزوری رہی ہے (جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنی گراں قدر تصنیف "تہافت الفلاسفہ" اور علامہ ابن خلدون نے اپنے عظیم مقدمہ میں ذکر کیا ہے) کہ جب وہ کسی ایک شعبہ میں کسی فرد یا جماعت کا لوہا مان لیتے، اور اس کے امتیاز وتفوق کو تسلیم کر لیتے ہیں، تو دوسرے تمام شعبوں میں بھی اس کی امامت کے قائل ہو جاتے ہیں، اور اس کے نظریات ونتائج بحث وتحقیق کو ایسے

(باقی صہ ۶۳ کا) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مذہب وتمدن" صفحہ ۱۔۱۴ نیز الٰہیات میں عقل کی درماندگی اور حکمائے یونان کی اس میدان میں بوالعجبیوں کو معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" جلد چہارم صہ ۱۹۲۔۲۰۰

مسلّمہ اور ثابت شدہ علمی حقائق سمجھنے لگتے ہیں، جن میں ان کے نزدیک بحث و تحقیق کی گنجائش اور جواز باقی نہیں رہتا، اور جن پر بحث کرنے والا (ان کے نزدیک) یا تو نادان ہوگا یا متعصب اور ہٹ دھرم۔

جہاں تک ان قوموں کا تعلق ہے، جو زمانۂ قدیم سے اپنے دینی سرمایہ کو کھو بیٹھی اور ہدایت و نور سے یکسر محروم ہو گئی ہیں اُن کا یہ طرزِ عمل قابلِ تعجب بات نہیں، تعجب تو ان "مسلمان دانشوروں" پر ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت محمدی صلے اللہ علی صاحبہا وسلم کی نعمت اور اس کتاب الٰہی کی دولت سے سرفراز فرمایا جس کا وصف امتیازی یہ ہے :۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ	اس پر غلطی کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا
وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ	ہے نہ پیچھے سے (یہ) دانا (اور)
حَمِيدٍ ٥ (سورۂ حم السجدہ-۴۲)	خوبیوں والے (خدا) کی اتاری ہوئی ہے

قرونِ متأخرہ میں عالم اسلام کے بہت سے علمی و درسی حلقوں نے (خاص طور پر جو ایران کے خوشہ چیں تھے) اس فلسفہ کو من وعن تسلیم کیا، اور اس پر اس طرح سنجیدہ وعمیق بحثیں شروع کر دیں، جیسے وہ مسلمات و حقائق، بدیہیات اور عملی تجربات کا مجموعہ ہے، یونانی فلاسفہ کے بہت سے خیالات واوہام، اور مفروضات کو جو محض قوتِ متخیلہ، یا زورِ کلام کا نتیجہ تھے، صحیح تسلیم کیا، اور ان میں سے بہت سوں نے (کبھی اسلام سے محبت وتعلق کی بناء پر، اور کبھی اپنی کمزوری سے) قرآنی آیات کو اس کا تابع بنایا، اور ان کی دور از کار اور بے معنی تاویلیں کیں، اور ان کی اس طرح تفسیر کی کہ وہ یونانی الٰہیاتی فلسفہ کے "ثابت شدہ حقائق" اور "مسلمات" سے ہم آہنگ ہو جائیں، اس سلسلہ میں اکثر ان سے غلطی اور لغزش ان کے اس اصول سے ہوئی کہ "واجب الوجود" کو "لوازم فاسدہ"

سے منزہ قرار دینا ضروری ہے، اور یہ "لوازم فاسدہ" اکثر ان کے ذہن کی اختراع اور
ان کے مفروضات تھے، اس لئے بہت سے اسماء و افعال اور صفات الٰہی کے اثبات
سے صرف اس لئے انھوں نے راہ فرار اختیار کی کہ اس سے "حدوث" لازم آتا ہے،
یا اس سے خدا کے لئے "جسمیت" لازم آتی ہے اور "ذات قدیم" کو جن امور سے منزہ
ہونا چاہئے، وہ ثابت ہوتے ہیں، یہ ساری نکتہ آفرینیاں اس بنیاد پر تھیں کہ وہ خدا تعالیٰ
کو انسان، اور اپنے محدود تجربات پر قیاس کر رہے تھے، کیونکہ بہر حال یہ بات تصور میں
نہیں آتی، اور نہ اس کا کبھی تجربہ ہوا ہے کہ یہ صفات اپنے "لوازم" کے بغیر پائی جائیں،
وہ بھول گئے کہ یہ صفات الٰہی ہیں، جن کا وجود ان "لوازم" کا محتاج اور پابند نہیں ہے،
ان میں سے بعض لوگوں نے صفات کی بالکلیہ نفی کا بھی رجحان ظاہر کیا، اگرچہ ان میں کسی قدر
بہتر وہ لوگ ہیں، جو صفات کی تاویل کرتے ہیں، یا ان کی اس طرح شرح و تفسیر کرتے ہیں،
جو نفی و تعطیل تک پہونچا دیتی ہیں، اور "صفات" کی حکمت ہی فوت ہو جاتی ہے۔

ذوق و رجحان کے فرق کے ساتھ (جو قدرتی ہے) بہت سے لوگوں نے یہ راہ اختیار
کی اور علم کلام بنتا گیا، اور اس کے مباحث پھیلتے گئے، لیکن مسلمانوں کو ایک ایسے متکلم کی ضرورت
تھی، جو کتاب و سنت اور سلف کے عقائد پر اپنے عقائد و افکار کی بنیاد رکھے، انھیں کو اصل
و اساس قرار دے، اور فلسفہ و علم کلام کے مباحث پر ایک قابل بحث و اختلاف، موضوع
کی حیثیت سے غور کرے، جس کے کچھ اجزاء قبول بھی کئے جا سکتے ہیں، اور کچھ اجزاء رد بھی
کئے جا سکتے ہیں، وہ اس کا آزادانہ علمی محاکمہ کرے (جس میں مرعوبیت کا شائبہ نہ ہو) یونانی
فلاسفہ اور ان کے مقلدوں اور شاگردوں کے نتائج غور و فکر کا صرف وہ حصہ قبول کرے،
جو صحیح دلیل سے ثابت، اور علم و تحقیق کے میزان میں پورا اترتا ہو، وہ ارسطو اور اس کے

ہم مرتبہ اور ہم طبقہ فلاسفہ کو نہ خدائے علیم و خبیر کا درجہ دے، نہ خطا و لغزش سے محفوظ انبیائے معصومین کا، مسلمانوں کو ایسے نابغۂ روزگار مفکروں، یا پابند نصوص مجتہدوں، یقین آفریں اور علمی و فکری حیثیت سے ایسی قدآور شخصیتوں کی ضرورت تھی، جو فلسفہ پر کامیابی کے ساتھ عمل جراحی بھی کر سکیں، اور اس کا نعم البدل بھی مہیا کر سکیں، وہ فلسفہ اور فلسفیوں کے آراء و نظریات سے آنکھیں ملا کر بات کریں، قرآن پر اس طرح ان کا ایمان ہو جس طرح وہ نازل ہوا، خدا تعالیٰ کی صفات و افعال کو بغیر کسی تحریف و تاویل کے ویسا ہی مانتے ہوں جیسا وہ خود ان کے بارے میں فرماتا ہے، اور ان حقائق کی وہ ایسی تفسیر کرتے ہوں جس کو عقل و منطق تسلیم کرے، اور علم و دلیل جس کے مؤید ہوں، یہ دانش کدۂ قرآنی، اور دبستان علوم نبوی سے فیض پانے والے وہ علمائے حق تھے، جو فلسفہ اور اس کے بھاری بھرکم اصطلاحات کی غلامی اور مرعوبیت سے ہر طرح آزاد تھے، وہ عقائد میں کتاب اللہ اور سنت متواترہ کے پابند تھے، اور خدا تعالیٰ پر انہیں صفات کے ساتھ ایمان و عقیدہ رکھتے تھے، جو اس نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں، ایک حدیث میں علمائے حق کی جو تعریف آئی ہے، وہ ان پر پورے طور پر صادق تھی۔

ینفون عن ھذا الدین تحریف الغالین، وانتحال المبطلین، وتاویل الجاھلین۔[1]	وہ غالی لوگوں کی تحریف، باطل پرستوں کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویلات سے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔

ان علمائے اسلام سے کوئی دور خالی نہیں رہا، ان نمایاں شخصیتوں میں آٹھویں صدی ہجری

---

[1] بروایت بیہقی، حدیث کے الفاظ یوں ہیں :- "یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین۔ الخ"

کے عالم جلیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرّانی (م ۷۲۸ھ) ہیں جیسا کہ اکابر علماء کی شہادت ہے، اور ان کی کتابیں بھی اس پر شاہد عدل ہیں، وہ ایک طرف ان تمام حقائق پر جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں اور کتاب اللہ جن پر مشتمل ہے، مکمل اور غیر متزلزل ایمان رکھتے تھے، قرن اول اور سلف صالحین کے عقائد پر ان کو پورا اطمینان اور شرح صدر حاصل تھا، دوسری طرف وہ ان تمام کلامی مباحث کے دریا کے شناور تھے، جو امتِ اسلامیہ میں ان سے پہلے زیر بحث رہے، انھوں نے یونانی فلسفہ و منطق اور ان مکاتب فکر کا گہرا، وسیع و ناقدانہ مطالعہ کیا تھا، جو دنیائے اسلام پر صدیوں اثر انداز رہ چکے تھے، وہ ان فلسفیانہ دعاوی اور اصول کے بے باک، آزاد اور طاقت ور ناقد تھے، جو اقلیدس کے اصول موضوعہ کی طرح بے چوں وچرا تسلیم کئے جانے لگے تھے، ان کو خدا نے ایک ایسا شاگرد رشید اور جانشین بھی عطا فرمایا جو انھیں کے نقش قدم پر چلتے رہے، ان کے مطالب کی تفصیل و توضیح، ان کے کام کی تکمیل اور نشر و اشاعت کو انھوں نے زندگی کا مقصد بنا لیا، وہ علامہ ابن قیم جوزیہ (م ۷۹۱ھ) ہیں۔

ان کے بعد ان خصوصیات و خدمات میں اگر کسی کا نام پورے اعتماد سے لیا جا سکتا ہے، تو وہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) مصنف "حجۃ اللہ البالغہ" ہیں، جو ایک طرف سلف صالحین کے عقائد کے ترجمان و شارح، قرآن کے دقیق النظر مفسّر، علم حدیث کے ماہر خصوصی، فقہ و اصول فقہ کے متبحر عالم اور اسرار و مقاصدِ شریعت کے رازداں تھے، اور ان کا علم و تفقّہ اجتہاد مطلق کی سرحدوں کو چھو رہا تھا[1]،

---

[1] نواب سید صدیق حسن خاں لکھتے ہیں کہ "اگر وہ دور اول میں ہوتے تو بڑے مجتہدین میں شمار ہوتے" شاہ صاحب کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی، جلد ۶۔

دوسری طرف انھوں نے یونانی فلسفہ کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا، اور علوم حکمت و تصوف سے علمی و عملی واقفیت رکھتے تھے، انھوں نے ہندوستان میں علم حدیث کو رواج دیا اور اس دولت کو جو ہندوستان کے لئے "کنزِ مخفی" تھی عام کیا، انھوں نے ابن تیمیہؒ اور محدثین کا اس وقت دفاع کیا، جب ان کا نام لینا مشکل تھا، اور اسلام اور شریعت اسلامی کے مقاصد و اسرار پر ایسی مجتہدانہ کتابیں لکھیں جن کی نظیر عالم اسلام کا وسیع کتب خانہ بھی آسانی سے پیش نہیں کر سکتا۔[1]

شاہ صاحبؒ ان کے ہم مسلک اور ان کے پایہ کے علماء اسلامی عقائد کی تشریح و تفہیم اور اس کو پیش کرنے کے لئے سب سے زیادہ اہل و موزوں تھے، کیونکہ وہ "لفظیت" اور "تاویل" کے درمیان راہِ اعتدال پر قائم ہیں، ان کی کتاب "العقیدۃ الحسنۃ" مطالب کی گہرائی اور عبارت کی سلاست و روانی دونوں کی جامع ہے، یہ کتاب علم توحید (جس کو عام طور پر علم کلام سے موسوم کیا جاتا ہے) کا ایک ایسا متن ہے جس میں اہل سنت کے عقائد کا وہ لُب لباب آگیا ہے جس سے ہر اس پڑھے لکھے مسلمان کو واقف ہونا چاہیئے، جو اپنے تئیں اہل سنت میں شمار کرتا ہو، اور ان کے عقائد کو اپنا شعار بنانا چاہتا ہو، اسی لئے اس باب میں اسی کو بنیاد بنایا گیا ہے، سلف کی بعض دوسری قابل اعتماد کتابوں (جیسے "عقیدۃ الطحاوی اور عقائد کے سلسلہ کی بعض معتبر کتابوں سے بھی استفادہ، اور کتاب کے مطالب میں اضافہ کیا گیا ہے۔

بنیادی اسلامی عقائد

اس کارخانۂ قدرت کا ایک "قدیم" صانع ہے، جو ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا،

---

[1] مثلاً حجۃ اللہ البالغۃ، ازالۃ الخفاء، الفوز الکبیر۔

اس کا وجود حتمی، اور اس کا معدوم ہونا محال ہے، وہ تمام صفاتِ کمال سے متصف، اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، تمام معلومات اس کے علم میں ہیں، تمام ممکنات پر وہ قادر ہے، اور تمام کائنات اسی کے ارادہ سے ہے، وہ حیات سے متصف ہے، سمیع (سننے والا) ہے، بصیر (دیکھنے والا) ہے، اس کا کوئی شبیہ ہے، نہ اس کا کوئی مقابل اور ہم سر، وہ بے مثل ہے، اس کا کوئی مددگار نہیں، واجب الوجود ہونے، اور عبادت کے مستحق ہونے، اور تمام مخلوقات کی پیدائش، اور پوری کائنات کے انتظام و انصرام میں اس کا کوئی شریک و معین نہیں، عبادت (یعنی غایت تعظیم و تقدیس) کا صرف وہی مستحق ہے، صرف وہی ہے، جو مریض کو شفا دیتا، مخلوق کو رزق عنایت فرماتا، اور ان کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے، اس کی شان ہے:۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ	اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا
يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝	ارادہ کرتا ہے، تو اس سے فرما دیتا ہے
(سورۂ یٰسٓ۔ ۸۲)	"ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حلول و اتحاد سے پاک ہے، (وہ نہ کسی دوسرے کے قالب میں اتر جاتا ہے، نہ کسی سے متحد ہوتا ہے) اس کی ذات و صفات حدوث[1] سے مبرا ہیں، وہ نہ جوہر[2] ہے، نہ عرض[3]، نہ جسم، وہ کسی جگہ اور سمت میں محدود نہیں، وہ عرش کے اوپر ہے (مستوی علی العرش ہے) قیامت کے دن مومنوں کو اس کا دیدار ہوگا، جو وہ چاہتا ہے سو ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا

---

[1] صفات کے اپنے متعلقات کے ساتھ تعلق میں تو حدوث پایا جاتا ہے، لیکن اصل صفات ذات کی طرح حدوث سے پاک ہیں۔ [2] جوہر وہ چیز ہے جو اپنی ذات سے قائم ہو اور کسی حیّز میں ہو۔ [3] عرض وہ چیز ہے، جو کسی ایسے محل کا محتاج ہو جس پر وہ قائم ہو سکے۔

نہیں ہوتا، وہ غنی ہے، کسی چیز کا محتاج نہیں، اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا، اس سے پوچھا نہیں جا سکتا کہ وہ کیا کر رہا ہے (برخلاف مخلوق کے کہ اس سے پوچھا جا سکتا ہے) کسی کے واجب کرنے سے کوئی چیز اس پر واجب نہیں ہوتی، حکمت اس کی صفت ہے، اس کا ہر فعل حکیمانہ ہے، اس کے علاوہ کوئی حاکم (حقیقی) نہیں۔

تقدیر اچھی ہو یا بری، اللہ کی طرف سے ہے[1]، اس کا ازلی و ذاتی علم ہر اس واقعہ کو جو وجود میں آچکا ہے، یا آئے گا محیط ہے، وہی واقعات کو ان کے وجود سے پہلے قابل وجود بناتا ہے، اس کے بلند مرتبہ اور مقرب فرشتے ہیں، اور دوسرے وہ فرشتے ہیں، جن کو بندوں کے اعمال لکھنے اور مصیبتوں اور آفتوں سے ان کی حفاظت کرنے، اور خیر کی طرف بلانے پر مامور کیا گیا ہے، وہ بندے کے لئے خیر کا سبب بنتے ہیں، اور خدا تعالےٰ کی مخلوق شیاطین بھی ہیں، جو آدمیوں کے لئے شر کا سبب بنتے ہیں، اور اس کی مخلوقات میں سے جنات بھی ہیں۔

قرآن اللہ تعالےٰ کا کلام ہے، اس کے الفاظ و معانی سب اللہ کی طرف سے ہیں، وہ مکمل ہے، تحریف (نقص و اضافہ اور تبدیلی) سے محفوظ ہے، جو اس میں تحریف یا کمی زیادتی کا قائل ہو وہ مسلمان نہیں۔

اللہ تعالےٰ کے اسماء و صفات میں انحراف و تحریف، یعنی جو صفت نازیبا ہے،

---

[1] صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اس وقت تک کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ تقدیر پر (اچھی ہو یا بری) ایمان نہ لائے اور جب تک یہ جان نہ لے کہ جو کچھ اس کو پہونچا ہے، وہ اس سے بچ کر نکل نہیں سکتا تھا، اور جس سے بچ کر نکل گیا وہ اس تک پہونچ نہیں سکتا تھا۔" (ترمذی شریف)

اس سے اس کو موصوف کرنا، یا اس کی صفات کی ایسی تاویل کرنا جو اس کے شایان شان نہیں، جائز نہیں، اور اس بارے میں صرف شریعت کا فیصلہ معتبر ہے۔

معاد جسمانی برحق ہے، جزا و سزا اور حساب برحق ہے، پل صراط قرآن و سنت سے ثابت ہے، جنت حق ہے، دوزخ حق ہے، وہ پیدا کی جا چکی ہیں۔

کبائر کا مرتکب مسلمان ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، شفاعت ان کے حق میں برحق ہے، جن کے بارے میں اللہ اجازت دے، کبائر کے مرتکب اُمتیوں کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شفاعت برحق ہے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی، فاسق کے لئے عذاب قبر، اور مومن کے لئے قبر کا آرام و راحت حق ہے، منکر و نکیر کا سوال کرنا برحق ہے۔

مخلوق کی طرف انبیاء کی بعثت برحق ہے، اور انبیائے کرام کی زبانی اور ان کے واسطہ سے خدا تعالےٰ کا اپنے بندوں کو امر و نہی کا مکلف قرار دینا برحق ہے، انبیائے کرام مجموعی طور پر کچھ ایسی امتیازی صفات سے متصف ہوتے ہیں، جو دوسرے انسانوں میں نہیں پائی جاتیں، اور وہ ان کیلئے نبوت کی دلیل ہوتی ہیں، جن میں خوارق عادات، جن کو معجزات کہا جاتا ہے، سلامتی فطرت اور مثالی اخلاق وغیرہ صفات ہیں، انبیائے کرام، کفر، کبائر کے عمداً مرتکب ہونے، اور ان پر قائم رہنے سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔

محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم خاتم النبیین ہیں، آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں، آپ کی دعوت ساری دنیا، تمام انسانوں اور جنّات کے لئے ہے، اس امتیاز و خصوصیت میں، اور اس کے علاوہ اس جیسی دوسری خصوصیات میں وہ سب نبیوں میں افضل ہیں، آپ کی رسالت پر ایمان لائے بغیر ایمان معتبر اور کوئی دینِ حق نہیں، اسلام ہی واحد دینِ حق ہے، اس کے سوا کوئی دین خدا کے یہاں مقبول اور آخرت میں

ذریعۂ نجات نہیں[1]۔

معراج برحق ہے آپ کو بحالت بیداری رات میں بیت المقدس اور وہاں سے جہاں خدا نے چاہا لے جایا گیا۔

اولیائے عظام کی (اللہ کے وہ مومن بندے، جو خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے عارف، اور اپنے ایمان میں مقام احسان تک پہونچے ہوئے ہیں) کرامات حق ہیں، جس کو خدا چاہتا ہے ان سے نوازتا ہے، اور خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت خاصہ سے سرفراز فرماتا ہے، تکلیف شرعی[2] کسی سے ساقط نہیں ہوتی، خواہ وہ ولایت، مجاہدہ اور جہاد کے کتنے ہی بلند مقام پر فائز ہو، وہ فرائض کا ہمیشہ مکلّف رہے گا، کوئی حرام چیز یا معصیت جب تک آدمی صحیح الحواس اور عاقل ہے اس کے لئے جائز نہ ہوگی، نبوت ولایت سے مطلقاً افضل ہے کوئی ولی خواہ کتنا ہی بڑا ہو کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتا، خواہ وہ صحابی اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے نہ ہو، صحابہ کرامؓ کی اولیائے عظامؒ پر فضیلت، ثواب کی کثرت، اور خدا تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کی عظمت پر ہے، نہ کہ کثرتِ عمل پر[3]۔

---

[1] اس میں "وحدتِ ادیان" (سب دین حق ہیں اور سب راستے خدا تک پہونچانے والے ہیں) کے عقیدہ وخیال کی نفی وتردید ہے، جو عہد حاضر کا ایک فتنہ اور ہندوستان کا قدیم طرز فکر اور دعوت ہے

[2] اوامر ونواہی خداوندی کا مخاطب، اور شرعی فرائض وواجبات کا مکلّف ہونا، اور ان کے نتیجہ میں (آخرت میں) جزا وسزا کا مستحق ہونا۔

[3] صحیح حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو، تم میں سے کوئی شخص اگر اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کردے تو وہ ان میں سے کسی کے مُد (ایک کلو کے بقدر قدیم پیمانہ) اور آدھے مُد کے برابر بھی نہ ہوگا۔

انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم کے بعد بہترین مخلوق، اور بہترین مومنین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، عشرۂ بشرہ کے لئے جنت اور خیر کی ہم شہادت دیتے ہیں، اہل بیت اور ازواج مطہرات کی جو (امہات المومنین ہیں) عظمت و توقیر کرتے ہیں، ان سے محبت رکھتے ہیں، اور اسلام میں ان کے بلند مقام کے معترف ہیں، اسی طرح اہل بدر اور بعیت رضوان میں شریک ہونے والوں کے مقام کے معترف ہیں، اہل سنت تمام صحابہ کرامؓ کی عدالت کے قائل ہیں، ان کی عصمت کا اعتقاد نہیں رکھتے، اور ان کے نزاعات واختلافات کے بارے میں کف لسان اور احتیاط سے کام لیتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امام وخلیفۂ برحق تھے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ، پھر خلافت علی منہاج النبوۃ ختم ہوگئی، حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ امت محمدیہ ــ صلے اللہ علی صاحبہا وسلم ــ میں علی الترتیب سب سے افضل ہیں[1]، ہم صحابہ کرامؓ کا صرف ذکر خیر ہی کرتے ہیں، وہ ہمارے دینی قائد ورہنما ہیں، ان کو برا بھلا کہنا حرام ہے، اور ان کی تعظیم واجب ہے۔

ہم اہل قبلہ[2] میں سے کسی کو کافر قرار نہیں دیتے، ہاں مگر جو اللہ تعالےٰ کے اس کائنات کے

---

[1] شاہ صاحب اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ ہم (خلفائے ثلٰثہ کی) من کل الوجوہ فضلیت کے جس میں علو نسب، شجاعت و دلیری، قوت جسمانی اور علم وغیرہ صفات بھی آتی ہیں، قائل نہیں ہیں، بلکہ اسلام کے لئے ان کے زیادہ مفید وکارآمد ہونے کی حیثیت سے افضلیت کے قائل ہیں۔

[2] متکلمین کی اصطلاح میں "اہل قبلہ" وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین یعنی وہ امور جن کا ثبوت کتاب وسنت واجماع سے قطعی طریقہ پر ہو چکا ہے، پر ایمان رکھتے ہیں، اگر کوئی محض ضروریات دین میں سے کسی چیز کا مثلاً عالم کے حدوث و قبر و...

(باقی ص۴۸ پر)

خالق اور قادر و مختار ہونے کا انکار کرے، یا غیر اللہ کی عبادت کرے، یا آخرت یا نبی کا انکار کرے، یا ضروریاتِ دین[1] (وہ امور جن کا ثبوت دین میں معلوم و مشہور ہے) میں سے کسی چیز کا انکار کرے، وہ کافر ہے، معصیت کو جائز سمجھنا (بشرطیکہ اس کا معصیت ہونا ثابت ہو) کفر ہے، شریعت کا مذاق اڑانا، اور اس کے احکام کے ساتھ تمسخر کفر ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (اس شرط کے ساتھ کہ فتنہ کا سبب نہ ہو) اور بات مان لینے کا گمان غالب ہو، واجب ہے[2]، ہم تمام انبیاء و رسل، اور ان پر نازل ہونے والی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور انبیاء میں باہم تفریق نہیں کرتے۔

ایمان زبان سے اقرار اور دل کی تصدیق کا نام ہے، بندوں کے افعال خدا تعالیٰ کے "خلق" اور بندوں کے "کسب" سے ہیں، علاماتِ قیامت پر جیسا کہ حدیث میں وارد ہوئی ہیں، ہم یقین رکھتے ہیں، اجتماعیت اور اتحاد کو ہم حق اور ثواب کی چیز اور انتشار و افتراق کو گمراہی و کج روی اور عذاب کا سبب سمجھتے ہیں۔

توحید، دینِ خالص اور شرک کی حقیقت

عبودیت کی بنیاد عقائد اور ایمان کی تصحیح پر ہے، جس کے عقائد میں خلل اور ایمان میں

(باقی صفحہ کا) اٹھائے جانے، خدا کے تمام جزئیات سے واقف ہونے، نماز و روزہ کی فرضیت وغیرہ کسی امر کا منکر ہو تو وہ "اہل قبلہ" میں شمار نہیں کیا جائیگا، خواہ وہ کتنے ہی مجاہدات و ریاضات کرتا ہو، اسی طرح اگر کفر و انکار کی علامتوں مثلاً بت کے سامنے سجدہ، کسی حکم شرعی کا مذاق و تمسخر جیسی کوئی حرکت کرتا ہے تو وہ بھی اہل قبلہ میں سے نہیں۔ [1] ضروریاتِ دین، دین کے وہ حقائق و احکام جو قرآن، سنتِ متواترہ، اور صریح اجماع کی بنیاد پر دلیل قطعی (یقینی) سے ثابت ہوں، اگر ان کا تعلق عقائد سے ہے تو ان پر ایمان رکھنا ضروری، اور اگر اعمال سے ہے تو ان پر عمل کرنا فرض ہے۔ [2] تلخیص از "العقیدۃ الحسنۃ" از حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ مع اضافات و اقتباسات از کتب توحید و عقائد۔

بگاڑ ہو، اس کی نہ کوئی عبادت مقبول، نہ اس کا کوئی عمل صحیح مانا جائیگا، اور جس کا عقیدہ درست اور ایمان صحیح ہو اس کا تھوڑا عمل بہت ہے، اس لئے ہر شخص کو اس کی پوری کوشش کرنا چاہئے کہ اس کا ایمان و عقیدہ صحیح ہو، اور صحیح ایمان و عقیدہ کے حصول اور اس پر اطمینان اس کا مقصود عمل، اور منتہائے آرزو ہو، اس کو ناگزیر اور بے بدل سمجھے، اور اس میں ایک لمحہ بھی تاخیر سے کام نہ لے[1]۔

صاف ذہن، گہرائی اور حق کی تلاش کے جذبہ کے ساتھ قرآن پاک کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے زمانہ کے کفار اپنے معبودانِ باطل کو اللہ وحدہ لاشریک لہ کا بالکل ہم سر و مساوی، اور ہم مرتبہ قرار نہیں دیتے تھے، بلکہ وہ یہ تسلیم کرتے تھے کہ وہ مخلوق اور بندے ہیں، ان کا کبھی یہ عقیدہ نہیں تھا کہ ان کے معبود خدا تعالےٰ سے قدرت و طاقت میں کسی طرح کم نہیں اور وہ خدا تعالےٰ کے ساتھ ایک ہی پلڑے میں ہیں، ان کا کفر و شرک صرف یہ تھا کہ وہ اپنے معبودانِ باطل کو پکارتے، ان کی دُہائی دیتے، ان پر نذریں چڑھاتے، اور ان کے ناموں پر قربانیاں کرتے، اور ان کو اللہ تعالےٰ کے یہاں سفارشی، مشکل کشا، اور کارساز سمجھتے تھے، اس لئے ہر وہ شخص جو کسی کے ساتھ وہی معاملہ کرے جو کفار اپنے معبودانِ باطل کے ساتھ کرتے تھے تو گو کہ وہ اس کا اقراری ہو کہ وہ ایک مخلوق اور خدا کا بندہ ہے، اس میں اور زمانۂ جاہلیت کے بڑے سے بڑے بت پرست میں بحیثیت مشرک ہونے کے کوئی فرق نہ ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

"جاننا چاہئے کہ توحید کے چار درجات ہیں۔

---

[1] دیکھئے "تقویۃ الایمان" از مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ۔

۱۔ صرف خدا تعالےٰ کو واجب الوجود قرار دینا، لہٰذا کوئی اور واجب الوجود نہیں۔

۲۔ عرش، آسمان و زمین، اور تمام قائم بالذات اشیاء کا خالق صرف خدا کو سمجھنا۔[۱]

یہ دو درجے وہ ہیں جن سے آسمانی کتابوں نے بحث کی ضرورت نہیں سمجھی، اور نہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کو ان کے بارے میں اختلاف وانکار تھا، بلکہ قرآن کریم اس کی صراحت کرتا ہے،[۲] کہ یہ دونوں مرتبے ان کے نزدیک مسلّمات میں سے ہیں۔

۳۔ آسمان و زمین کے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے، اس کے انتظام و انصرام کو صرف خدا تعالےٰ کے ساتھ خاص سمجھنا۔

۴۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی کو مستحق عبادت نہ گرداننا۔[۳]

یہ دونوں درجے طبعی ربط کی وجہ سے باہم دیگر پیوست اور لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں، انھیں دونوں درجوں یا قسموں سے قرآن عظیم نے بحث کی ہے، اور کافروں کے شکوک و شبہات کا شافی و وافی جواب دیا ہے۔"[۴]

اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک کے معنی صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کو خدا تعالےٰ کا ہم مرتبہ و ہم سر قرار دیا جائے، بلکہ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی کے ساتھ وہ کام یا وہ معاملہ کرے جو خدا تعالےٰ نے اپنی بلند و بالا ذات کے ساتھ خاص فرمایا ہے، اور جس کو عبودیت" بندگی کا شعار بنایا ہے، جیسے کہ کسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا، کسی کے نام پر قربانی کرنا، یا نذر پیدا ماننا، مصیبت و تنگی میں کسی سے مدد مانگنا، اور یہ سمجھنا کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، اور اس کو

---

[۱] اسی کو توحید الربوبیۃ کہا جاتا ہے۔ [۲] خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے "وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ" (الزخرف۔ ۹) [۳] اس کو توحید الوہیت کہا جاتا ہے۔
[۴] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱/ ص ۵۹۔۶۰ باختصار

کائنات میں متصرف سمجھنا، یہ ساری وہ چیزیں ہیں، جن سے شرک لازم آتا ہے اور انسان ان سے مشرک ہوجاتا ہے، خواہ اس کا یہ اعتقاد ہی کیوں نہ ہو کہ یہ انسان، فرشتہ، یا جن جس کے سامنے وہ سجدہ ریز ہورہا ہے، یا جس کے نام پر قربانی کر رہا ہے، نذریں مان رہا ہے، اور جس سے مدد مانگ رہا ہے، اللہ تعالیٰ سے بہت کم مرتبہ اور پست مقام ہے، اور چاہے یہ مانتا ہو کہ اللہ ہی خالق ہے، اور یہ اس کا بندہ اور مخلوق ہے، اس معاملہ میں انبیاءؑ اولیاءؒ جن وشیاطین، بھوت پریت سب برابر ہیں، ان میں سے کسی کے ساتھ بھی جو یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک قرار دیا جائیگا، اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان یہود و نصاریٰ کو جنھوں نے اپنے راہبوں، پادریوں اور پروہتوں کے بارے میں اس طرح مبالغہ و غلو کا طریقہ اختیار کیا، جس طرح مشرکین نے اپنے معبودانِ باطل کے بارے میں انھیں صفات سے یاد کیا ہے، جن صفات سے بت پرستوں اور مشرکوں کو یاد کیا ہے، اور ان غالی اور راہِ حق سے ہٹے ہوئے لوگوں پر اسی طرح اپنے غضب و ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جس طرح غالی مشرکوں پر، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (سورۃ التوبہ ۔ ۳۱)	انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریمؑ کو اللہ کے سوا خدا بنالیا، حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کے سوائے کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

شرک کے مظاہر و اعمال، اور جاہلی رسم و رواج

اس اصولی اور عام بات کے بعد ضرورت ہے کہ ان کمزوریوں، بیماری اور اس عالم آشوب فتنہ کی ان جڑوں کی نشان دہی کر دی جائے جو جاہلوں، خارجی اثرات اور جاہلی رسم و رواج سے متاثر اقوام و ملل، اور ان لوگوں میں پائی جاتی ہیں، جن کا نشو و نما صحیح اسلامی تعلیمات، کتاب و سنت کے علم، اور دین خالص کی دعوت سے دور، اور صحیح اسلامی تعلیمات سے محروم ماحول میں ہوا، ان کمزوریوں کی نشان دہی، اور جسم بیمار میں ان امراض کی صحیح تشخیص و تعیین ضروری ہے۔

ہمہ گیر اور محیط علم، ارادۂ مطلقہ، اور آزاد و غیر محدود تصرف اور قدرت کاملہ خدا تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے، اور عبادت کے اعمال اور شعائر جیسے سجدہ یا رکوع کا کسی کے سامنے کرنا، کسی کے نام پر اور اس کی خوشنودی کے لئے روزہ رکھنا، دور دور سے اہتمام کے ساتھ کسی جگہ کے لئے شدِّ رحال (طول طویل سفر کر کے جانا) اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو بیت اللہ کو زیبا ہے، اور وہاں قربانی کے جانور لے جانا، نذریں، اور منّتیں ماننا، شرک کے کام اور شرک کے مظاہر ہیں، تعظیم کے وہ طریقے اور علامتیں جو عبودیت اور غایت ذلت کی مظہر ہوں، صرف خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، علم غیب صرف خدا تعالیٰ کو ہے، اور انسانی قدرت سے باہر ہے، دلوں کے بھیدوں اور خیالات اور نیتوں کا علم ہر وقت کسی کے لئے ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ کو سفارش قبول کرنے، اور اہل وجاہت اور با اثر و اقتدار لوگوں کو راضی و خوش کرنے میں دنیا کے بادشاہوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے ایسی ہر چھوٹی اور بڑی بات میں (ان کے بجائے) خدا ہی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے،

شاہان دنیا کی طرح کائنات کے انتظام، اور درباریوں اور وزراء و اعوان سے مدد لینا خدا کے شایانِ شان نہیں ہے، کسی قسم کا سجدہ سوائے خدا کے کسی کے لئے جائز نہیں، حج کے مناسک و اعمال، غایت درجہ کی تعظیم کے مظاہر اور محبت و فنائیت کے تمام شعائر بیت اللہ اور حرم محترم کے ساتھ خاص ہیں، صالحین اور اولیاء کے ساتھ جانوروں کی تخصیص، ان کا احترام کرنا، ان کی نذریں چڑھانا، اور ان کی قربانی کے ذریعہ ان سے تقرب حاصل کرنا حرام ہے، عاجزی و انکساری کے ساتھ غایت درجہ کی تعظیم صرف خدا تعالیٰ کا حق ہے، تقرب و تعظیم کے جذبہ سے قربانی کرنا صرف اللہ کا حق ہے، کائنات میں آسمانی برجوں (نچھتروں) سیاروں کی تاثیر پر اعتقاد رکھنا شرک ہے، کاہنوں، نجومیوں اور غیب کی باتیں بتانے والوں پر اعتماد کرنا کفر ہے۔

نام رکھنے میں بھی مسلمانوں کو توحید کے شعار کا اظہار کرنا چاہئے، غلط فہمی پیدا کرنے والے، اور جس سے مشرکانہ اعتقاد کا اظہار ہوتا ہو ایسے الفاظ سے پرہیز کرنا چاہئے، خدا کے علاوہ کسی کی قسم کھانا شرک ہے، غیر اللہ کی نذریں ماننا حرام ہے، اسی طرح کسی ایسے مقام پر قربانی کرنا جہاں کوئی بُت تھا، یا جاہلیت کا کوئی جشن منایا جاتا تھا، ناجائز ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم میں افراط و تفریط، اور نصاریٰ کے اپنے نبی کے بارے میں غلو و مبالغہ کی تقلید، اور اولیاء و صالحین کی تصویروں اور شبیہوں کی تعظیم کرنے سے پرہیز اور مکمل احتیاط کرنا چاہئے۔

نبوت کا بنیادی مقصد اور بعثت کی اہم غرض عالمگیر مشرکانہ جاہلیت کا استیصال ہے

اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ، اور عبد و معبود کے باہمی تعلق کی تصحیح، اور صرف ایک کی بندگی

کی دعوت، ہر زمانہ اور ہر ماحول میں انبیائے کرام علیہم السلام کی پہلی دعوت اور ان کی بعثت کا اولین اور اہم ترین مقصد رہا ہے، ہمیشہ ان کی تعلیم یہی رہی ہے کہ اللہ ہی نفع و نقصان پہونچانے کی طاقت رکھتا ہے، اور صرف وہی عبادت، دعاء، توجہ اور قربانی کا مستحق ہے انھوں نے ہر دور میں اپنے زمانہ میں جاری وساری وثنیت پر ضرب کاری لگائی جو مورتیوں مقدس وصالح، زندہ و مردہ شخصیتوں کی پرستش کی صورت میں جلوہ گر تھی، ان ہستیوں کے بارے میں اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں عزت وعظمت اور معبودیت کے خلعت سے سرفراز فرمایا ہے، ان کو خاص خاص امور میں تصرف کا اختیار بھی دے رکھا ہے اور انسانوں کے بارے میں ان کی سفارشوں کو علی الاطلاق قبول فرماتا ہے، جیسے شہنشاہ اعظم ہر علاقہ کے لئے ایک حاکم بھیج دیتا ہے اور بعض بڑے اور اہم امور کے علاوہ علاقہ کے انتظام کی ساری ذمہ داری انھیں کے سر ڈال دیتا ہے، اس لئے انھیں کی طرف رجوع، اور انھیں کو راضی کرنا مفید اور ضروری ہے۔

جس شخص کو قرآن سے کچھ بھی تعلق ہے (جو پچھلی تمام کتابوں کی تعلیمات کا جامع ہے) اس کو یقینی اور بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ شرک و بت پرستی کے خلاف صف آرائی اس سے جنگ کرنا، اس کو دنیا سے نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنا، اور لوگوں کو اس کے چنگل سے ہمیشہ کے لئے نجات دلانا، نبوت کا بنیادی مقصد تھا، انبیاء کی بعثت کی اصل غرض، ان کی دعوت کی اساس، ان کے اعمال کا منتہا، اور ان کی جد وجہد کی غایتِ اصلی یہی تھی، یہی ان کی دعوتی سرگرمیوں کا محور و مرکزی نقطہ تھا، قرآن کبھی تو ان کے بارے میں اجمالاً کہتا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ • اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف

اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں،

فَاعْبُدُوْنِ ○ (سورۂ انبیاء ۔ ۲۵) تو میری عبادت کرو۔

اور کبھی تفصیل کے ساتھ ایک ایک نبی کا نام لیتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس کی دعوت کی ابتداء اسی توحید کی دعوت سے ہوئی تھی[1] اور پہلی بات جو انھوں نے کہی وہ یہی تھی "قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ" (اے میری قوم کے لوگو! خدا کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ الاعراف ۔ ۵۹)

یہی بت پرستی اور شرک (یعنی خدا کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا اور ان کے سامنے انتہائی ذلت و مسکنت کا اظہار، ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان سے دعا و مدد کی طلب، اور ان کے لئے نذر و نیاز) عالمگیر طویل العمر اور سخت جان "جاہلیت" ہے، جو کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، اور یہی نوع انسانی کا قدیم ترین و مہلک ترین مرض ہے، جو تاریخ انسانی کے تمام ادوار، تمدن معاشرت، معیشت و سیاست کے تمام تغیرات اور انقلابات کے باوجود بھی نوع انسانی کے پیچھے لگا رہتا ہے، اللہ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے، بندوں کی روحانی، اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا روڑا بنتا ہے، اور ان کو انسانیت کے بلند درجہ سے گرا کر پستی کے عمیق و مہیب غاروں میں اوندھے منہ ڈال دیتا ہے، اور اسی کی تردید و بیخ کنی تک کے لئے دینی دعوتوں اور اصلاحی تحریکوں کا بنیادی رکن اور نبوت کی ابدی میراث ہے:۔

وَجَعَلَہَا کَلِمَۃً بَاقِیَۃً فِیْ عَقِبِہٖ اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے

---

[1] سورۂ اعراف میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت شعیبؑ کا نام لے لے کر ان کی اس دعوتِ توحید کا (انھیں الفاظ کے ساتھ جو اوپر آئے ہیں) تذکرہ کیا گیا ہے (سورۂ اعراف از رکوع ۸ تا رکوع ۱۲ نیز سورۂ ہود رکوع ۳ تا رکوع ۸)

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (سورۂ زخرف ـ ۲۸)   تاکہ وہ (خدا کی طرف) رجوع کریں۔

اور یہی تمام مصلحین، مجاہدین اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کا عالمی و دائمی شعار ہے۔

شرک جلی کی اہمیت کم کرنا اور اس سے صرف نظر کرنا جائز نہیں

یہ ہرگز جائز نہیں کہ نئے اصلاحی و دعوتی تقاضوں اور زمانہ کی نئی ضرورتوں کے اثر سے "شرک جلی" کی اہمیت کو کم کر دیا جائے اور دعوت و تبلیغ کے بنیادی اصولوں میں اس کو ضمنی حیثیت دی جائے یا "سیاسی اطاعت" اور انسانوں کے وضع کئے ہوئے کسی نظام و قانون کے قبول کرنے کو اور غیر اللہ کی عبادت کو ایک درجہ میں رکھا جائے، اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا جائے، یا یہ سمجھ لیا جائے کہ شرک، جاہلیت قدیم کی (جب انسانی ذہن اور علم و تمدن دور طفولیت میں تھے) بیماری اور خرابی، اور جہالت کی ایک بھدی اور بھونڈی شکل تھی، جو انسان غیر ترقی یافتہ اور غیر متمدن دور ہی میں اختیار کرسکتا ہے اب اس کا دور گزر گیا، انسان بہت ترقی کر چکا ہے، اب اس کا ذہنی انحراف نئی نئی ترقی یافتہ شکلوں ہی میں ظاہر ہوتا ہے، یہ دعویٰ اور طرز فکر مشاہدہ اور تجربہ اور واقعات کے بھی خلاف ہے، شرک جلی بلکہ کھلی ہوئی بت پرستی آج بھی علانیہ طور پر موجود ہے، اور قوموں کی قومیں، پورے پورے ملک حتیٰ کہ بہت سے مسلمان شرک جلی میں مبتلا ہیں، اور قرآن کا یہ اعلان آج بھی صادق ہے کہ "وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ" (سورۂ یوسف ـ ۱۰۶) (اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ پر یقین لاتے اور اس کے ساتھ شریک بھی ٹھیراتے جاتے ہیں)۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ انبیاء کرامؑ کی دعوت ان کی جدوجہد اور ان کی مقدس کوششوں کی ایک طرح کی تحقیر و ناقدری، اور قرآن (جو آخری اور ابدی کتاب ہدایت ہے) کی ابدیت میں شک وشبہ کے مترادف ہے، اور اس ایمان و اعتقاد میں بے یقینی کے ہم معنی کہ انبیائے کرام کا طریق کار ہی بہترین طریق کار ہے، جس کو اللہ نے پسند فرمایا ہے، اور اس کے ساتھ خدا کی تائید و توفیق، کامیابی و کامرانی، قبولیت و رحمت کا یہ فیصلہ اور معاملہ ہے، جو کسی بھی دوسرے اصلاحی طریق کے لئے نہیں۔

بدعت، اس کی مضرتیں اور کامل و مکمل اور لازوال شریعت کے ساتھ اس کا تضاد

کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ و رسول نے دین میں شامل نہیں کیا، اور اس کا حکم نہیں دیا دین میں شامل کر لینا، اس کا ایک جزء بنا دینا، اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لئے کرنا اور اس کے خود ساختہ شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کرنا جس طرح ایک حکم شرعی کی پابندی کی جاتی ہے، بدعت ہے، بدعت درحقیقت دین الٰہی کے اندر شریعت انسانی کی تشکیل، اور "ریاست اندرون ریاست" ہے، اس شریعت کی الگ فقہ ہے، اور مستقل فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات، جو بعض اوقات شریعت الٰہی کے متوازی، اور بعض اوقات تعداد اور اہمیت میں اس سے بڑھ جاتے ہیں، بدعت اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی جس کا تعین ہونا تھا، اس کا تعین ہو گیا، جس کو فرض و واجب بننا تھا، وہ فرض و واجب بن چکا، دین کی ٹکسال بند کر دی گئی، اب جو بنا سکہ اس کی طرف منسوب کیا جائیگا، وہ جعلی ہوگا، امام مالکؒ نے خوب فرمایا:-

من ابتدع فی الاسلام بدعۃ	جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا
یراھا حسنۃ، فقد زعم أن محمدًا	کردی' اور اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے'
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خان	وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ محمد
الرسالۃ، فإن اللہ سبحانہ یقول:	صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (نعوذ باللہ)
"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ"، فما لم یکن	پیغام پہونچانے میں خیانت کی' اس لئے
یومئذٍ دینًا، فلا یکون الیوم	کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ میں نے
دینًا۔[1]	تمہارے لئے تمہارا دین کمل کر دیا"
	پس جو بات عہد رسالت میں دین نہیں
	تھی' وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

شریعتِ منزّل من اللہ کی خصوصیت' اس کی سہولت' اور اس کا ہر ایک کے لئے ہر زمانہ میں قابل عمل ہونا ہے' اس لئے کہ جو دین کا شارع ہے' وہ انسان کا خالق بھی ہے' وہ انسان کی ضروریات' اس کی فطرت اور اس کی طاقت و کمزوری سے واقف ہے:۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ	(اور بھلا) کیا وہ نہ جانے گا جس نے
الْخَبِیْرُ ۝	پیدا کیا، اور وہ باریک بین (اور)
(سورۃ الملک - ۱۴)	پورا باخبر ہے۔

اس لئے تشریع الٰہی اور شریعت سماوی میں ان سب چیزوں کی رعایت ہے' مگر جب انسان خود شارع بن جائیگا تو اس کا لحاظ نہیں رکھ سکتا' بدعات کی آمیزشوں

---

[1] روایت ابن الماجشون عن الامام مالکؒ

اور وقتاً فوقتاً اضافوں کے بعد دین اس قدر دشوار، پیچ دار، اور طویل ہو جاتا ہے کہ لوگ مجبور ہو کر ایسے مذہب کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیتے ہیں، اور "مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ" (خدا نے تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی) کی نعمت سلب کر لی جاتی ہے، اس کا نمونہ عبادات و رسوم، اور فرائض و واجبات کی اس طویل فہرست میں دیکھا جا سکتا ہے، جس میں بدعت کو آزادی کے ساتھ اپنا عمل کرنے کا موقعہ ملا ہے۔

دین و شریعت کی ایک خصوصیت ان کی عالمگیر یکسانی ہے، وہ ہر زمانہ، اور ہر دور میں ایک ہی رہتے ہیں، دنیا کے کسی حصہ کا کوئی مسلمان باشندہ دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں چلا جائے تو اس کو دین و شریعت پر عمل کرنے میں نہ کوئی دقت پیش آئیگی، نہ کسی مقامی ہدایت نامہ اور نہ رہبر کی ضرورت ہو گی، اس کے برخلاف بدعات میں یکسانی اور وحدت نہیں پائی جاتی، وہ ہر جگہ کے مقامی سانچہ، اور ملکی یا شہری ٹکسال سے ڈھل کر نکلتی ہیں، وہ تاریخی یا مقامی اسباب، اور شخصی و انفرادی مصالح و اغراض کا نتیجہ ہوتی ہیں، اس لئے ہر ملک بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بعض اوقات ایک ایک صوبہ اور ایک ایک شہر اور گھر گھر کا دین مختلف ہو سکتا ہے۔

انھیں ابدی اور عالمی مصالح کی بنیاد پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو بدعت سے بچنے اور سنت کی حفاظت کی تاکید بلیغ فرمائی، آپ نے فرمایا:۔

من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد۔[1]	جو ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں داخل نہیں تھی تو وہ بات مسترد ہے۔

---

[1] متفق علیہ۔

إياكم والبدعة، فان كل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار[1]	بدعت سے ہمیشہ بچو، اس لئے کہ بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہوگی۔

اور یہ حکیمانہ پیش گوئی بھی فرمائی :۔

ما أحدث قوم بدعة الا رفع بها مثلها من السنة۔[2]	جب کچھ لوگ دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتے ہیں تو اس کے بقدر کوئی سنت ضرور اٹھ جاتی ہے۔

وارثین نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حاملین شریعت کا بدعتوں اور نئے رسم و رواج کے خلاف جہاد

صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد ائمہ وفقہائے اسلام اور اپنے اپنے وقت کے مجددین و مصلحین اور علمائے ربانی نے ہمیشہ اپنے اپنے زمانہ کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی اور اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول و رواج پذیر ہونے سے روکنے کی جان توڑ کوشش کی، ان بدعات میں عوام اور خوش عقیدہ لوگوں کے لئے جو مقناطیسی کشش ہر زمانہ میں رہی ہے، اور ان سے پیشہ ور، دنیا دار مذہبی گروہوں اور افراد کے جو ذاتی مفادات وابستہ رہے ہیں، جن کی تصویر اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید کی اس معجزانہ آیت میں کھینچی ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ (سورۃ التوبہ ـ ۳۴)	اے ایمان والو! اکثر احبار و رہبان لوگوں کے مال نامشروع طریقہ سے کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے باز رکھتے ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح بروایت ابوداؤد و احمد۔ [2] مسند امام احمد۔

اس کی بناء پر ان کو سخت مخالفتوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن انھوں نے اس کی پرواہ نہیں کی، اور اس کو اپنے وقت کا جہاد، اور شریعت کی حفاظت کا، اور دین کو تحریف سے بچانے کا مقدس کام سمجھا، ان مخالفین بدعت اور حاملین لواء سنت کو اپنے زمانہ کے عوام، یا خواص کالعوام سے "جامد" "روایت پرست" "مذہب دشمن[1]" وغیرہ کے خطابات ملے، لیکن انھوں نے کوئی پروا نہیں کی، ان کے اس لسانی اور قلمی جہاد، احقاق حق، اور ابطال باطل سے بہت سی بدعات کا اس طرح خاتمہ ہوا کہ ان کا معاشرہ و تمدن کی بعض تاریخوں میں ذکر رہ گیا ہے، اور جو باقی ہیں، ان کے خلاف علمائے حقانی اب بھی صف آرا ہیں:۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ (سورۃ الاحزاب۔ ۲۳)	ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے نکلے، پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعضے ان میں مشتاق ہیں، اور انھوں نے ذرا تغیر و تبدل نہیں کیا۔

---

[1] اور کہیں کہیں "وہابی" کا خطاب ملا۔

عبادات

اسلام میں عبادات کا مقام

عقائد کے بعد اسلام میں جس چیز کی بڑی اہمیت، اور عام نبوتوں اور رسالتوں کا (جن میں سرفہرست نبوت محمدی — علی صاحبہا الصلاۃ والسلام — ہے) جس پر بڑا زور اور جس کی تاکید کی ہے، وہ عبادات[1] ہیں، جو انسانوں کی پیدائش کا اولین مقصد اور غرض وغایت ہیں:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا	اور ہم نے جن وانس کو صرف اس لئے
لِيَعْبُدُونِ ۝ (سورۃ الذاریات۔۵۶)	پیدا کیا کہ وہ عبادت کریں۔

---

[1] اسلام میں دین کا مفہوم دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں بہت وسیع ہے، ہر وہ مطلوب عمل جو رضائے الٰہی کے لئے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کیا جائے، دین کہلاتا ہے، خواہ اس عمل کا تعلق دنیوی امور، بشری حاجتوں، یا معاشی ضرورتوں ہی سے کیوں نہ ہو، لیکن خاص مشروع عبادات، اور ارکان وفرائض دین جیسے نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کا ایک بلند مقام، اور ان کی بڑی اہمیت ہے، ان کے مقام واہمیت کو کم کرنا، اور ان اعمال اور دوسرے ان تمام اعمال کو جن کے ذریعہ انسان اجر وثواب کا طالب ہوتا ہے، برابر قرار دینا دین میں تحریف والحاد کا دروازہ کھولنا ہے۔

تمام آسمانی شریعتوں نے ان کو مشروع قرار دیا ہے' اور تمام آسمانی مذاہب نے اپنے اپنے دور میں ان کی دعوت دی ہے' اور شریعت اسلامی نے سب سے زیادہ کامل و مکمل شکل میں ان کو پیش کیا ہے' اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کا ایسا اہتمام' اور ان سے ایسا عشق و شغف تھا جو احاطۂ بیان سے باہر ہے' بیسیوں آیتیں' اور سیکڑوں احادیث ان کے بارے میں ترغیب و تحریض' اور ان کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں' ان میں مسابقت و تنافس اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے' ان کی کثرت کرنے والوں' اور ان کا اہتمام رکھنے والوں کا مقام مدح میں ذکر کیا گیا ہے' اور ان سے غفلت برتنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔[1]

قرآن کریم جہاد و حکومت کو وسیلہ اور "اقامۃ صلوٰۃ" کو مقصد و نتیجہ بتاتا ہے' قرآن کا ارشاد ہے:۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (سورۃ الحج ـ ۴۱)	یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں' اور زکوٰۃ ادا کریں' اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں' اور سب کاموں میں انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

قرآن پر ایک نظر ڈالنے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلق مع اللہ' عبودیت و بندگی' اور عبادات معیّنہ (ارکان اربعہ: نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج) بندہ سے اس طرح مطلوب و مقصود ہیں کہ

[1] ملاحظہ فرمایئے کتب حدیث' ابواب عبادات' اور آیات سورۂ سجدہ ـ ۱۶ ـ سورۂ فرقان ـ ۶۴ سورۂ آل عمران ـ ۱۷ ـ سورۂ احزاب ـ ۳۵ ـ ۴۲ ـ سورۂ کہف ـ ۲۸ ـ سورۂ انعام ـ ۵۲ ـ

انھیں کے متعلق قیامت میں سب سے پہلے سوال ہوگا، اور ان کا ترک، اور ان سے تغافل موجب وبال ونکال ہے، ایک جگہ ان لوگوں سے سوال وجواب کے موقعہ پر جو جہنم کے عذاب کے مستحق ہوئے ارشاد ہے:۔

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ○ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ○ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ○ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ○ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ○ حَتَّى أَتَانَا الْيَقِينُ ○ (سورۃ المدثر ۴۲-۴۷)	کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے، وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے، اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔

دوسری جگہ کفار کے تذکرہ میں ارشاد ہے:۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّى ○ وَلَٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّى ○ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ○ (سورۃ القیامۃ ۳۱-۳۳)	تو اس (ناعاقبت اندیش) نے نہ تو (کلام خدا کی) تصدیق کی، نہ نماز پڑھی بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا، پھر اپنے گھر والوں کے پاس اکڑتا ہوا چل دیا۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبادات وارکان دین، دین کے پورے نظام میں بنیادی ومرکزی حیثیت رکھتے ہیں، جن پر مؤاخذہ ومحاسبہ ہوگا، باقی چیزیں (حکومت الٰہیہ کا قیام، اور انسانی تمدن کو خیر وفلاح کی بنیادوں پر تعمیر کرنا) وسائل کی حیثیت رکھتی ہیں، اور دین میں ان کا درجہ دوسرا ہے۔

ان عبادات میں اولین اور اہم رکن نماز ہے، یہ دین کا ستون ہے اور مسلمانوں اور

کافروں کے درمیان وجہ امتیاز ہے، خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (سورۃ الروم۔ ۳۱)
اور نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں نہ ہونا۔

امام بخاریؒ اپنی جامع صحیح میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ
بندہ اور کفر کے درمیان ترک نماز ہے

اور ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے:۔

بين الكفر والايمان ترك الصلاة
کفر اور ایمان کے درمیان (حد فاصل) ترک نماز ہی ہے

نماز نجات کی شرط اور ایمان کی محافظ ہے، اور اس کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت و تقویٰ کی بنیادی شرط کے طور پر بیان کیا ہے[1]، نماز ہر آزاد اور غلام، امیر اور غریب، بیمار اور تندرست مسافر اور مقیم پر ہمیشہ کے لئے اور ہر حال میں فرض ہے، کسی بالغ انسان کو کسی حال میں اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا، بخلاف روزہ اور حج اور زکوٰۃ کے جو مختلف شرائط و صفات کے ساتھ وابستہ ہیں، اور ان کے متعین اور محدود اوقات ہیں، نماز میدانِ جنگ میں بھی فرض ہے، اور صلوٰۃ خوف کے نام سے موسوم ہے، یہ ایک ایسا فریضہ ہے، جو کسی نبی اور رسول سے بھی ساقط نہیں ہوتا، چہ جائیکہ کسی ولی اور عارف و مجاہد سے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝[2] (سورۃ الحجر۔ ۹۹)
اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کو امر یقینی پیش آجائے۔

---

[1] سورۃ البقرہ کی آیت ۱۔۳، اور سورۃ الاعلیٰ کی آیت ۱۴۔۱۵ ملاحظہ فرمائیے۔ [2] تمام مفسرین اور علماء کا اجماع ہے کہ یہاں یقین سے مراد موت ہے، عاقل بالغ سے فرائض کا ساقط نہ ہونا جیسا کہ عقائد کے ذیل میں ہم ذکر کر چکے ہیں، علم عقائد کا معروف مسئلہ ہے۔

نماز مومن کے حق میں ایسی ہے، جیسے مچھلی کے لئے پانی، نماز مومن کی جائے پناہ اور جائے امن ہے[1] اور اگر نماز واقعی و حقیقی نماز ہو تو وہ غیر اللہ کی عبادت، غیر اللہ کی غلامی، جاہلی زندگی اور اخلاق رذیلہ سے کوئی جوڑ نہیں کھاتی، اور دونوں میں کھلا ہوا تضاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (سورۃ العنکبوت۔ ۴۵)

کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

"نماز" کوئی ایسا آہنی سانچہ یا چوب خشک کی طرح کوئی جامد اور محدود چیز نہیں ہے، جس میں سب نمازی یکساں ہوں، اور ہر نمازی ایک سطح پر رہنے کے لئے مجبور، اور اس سے آگے بڑھنے سے قاصر ہو، وہ دراصل ایک بہت بڑا اور وسیع و عریض میدان ہے، جہاں نمازی ایک حال سے دوسرے حال تک، اور عروج سے کمال، اور کمال سے ان منزلوں تک پہونچتا ہے، جو اس کے تصور و خیال سے بھی ماوراء ہیں، نماز کو وصول الی اللہ، تعلق مع اللہ اور تقرب و ولایت کے حصول میں جو کمال درجہ کی تاثیر اور غایت درجہ کی اہمیت حاصل ہے، وہ پورے نظام شریعت میں کسی اور چیز کو نہیں، اس کے ذریعہ اس امت کے محققین و مجاہدین ہر نسل اور ہر دور میں ایمان و یقین، علم و معرفت، روحانیت و للہیت اور قرب و ولایت کے ان درجات تک پہونچ گئے، جہاں اہل ذہانت کی دقیقہ رسی اور حکماء و عقلاء کا تصور و خیال بھی نہیں پہونچ سکتا، اور ہر دور میں یہی حال رہا ہے، نماز نبوت کی میراث ہے، جو اپنے تمام اشکال و آداب، اور احکام و تفصیلات کے ساتھ بحفاظت ایک نسل سے دوسری نسل، اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک منتقل ہوتی رہی۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "ارکان اربعہ" "نماز"

نماز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب و پسندیدہ عبادت تھی، اس سے آپ کو سکون و تسلی حاصل ہوتی تھی، آپ فرماتے تھے :-

وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ۔[1] میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے

اور اپنے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے :-

یا بلال! أقم الصلاة أرِحنا بها[2] بلال، نماز کھڑی کرو، اور ہمیں اس سے آرام پہونچاؤ۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کو جب کوئی پریشانی کی بات پیش آتی فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔[3]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز "احسان" کا مکمل اور اعلیٰ نمونہ تھی آپ سے "احسان" کے معنی دریافت کئے گئے، تو آپ نے فرمایا :-

أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ،[4] اللہ تعالےٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اس کو دیکھ نہیں رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اور یہی وہ نماز ہے جو ہر مسلمان سے مطلوب ہے، کیونکہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اقتداء و اتباع کا ہر مسلمان کو حکم ہے، آپ نے فرمایا :-

صلّوا كما رأيتموني أصلي[5] اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھ کو

---

[1] نسائی شریف [2] ابوداؤد شریف، کتاب الادب، باب فی صلاۃ العتمۃ۔

[3] ابوداؤد شریف، متن حدیث یہ ہے: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إذا حزبه أمر صلی۔ [4] متفق علیہ [5] بخاری شریف۔

نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

اس لئے ہم قارئین کے سامنے اس نماز کی کیفیات اور تفصیلات پیش کرنے کی کوشش کریں گے[1]

نماز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ

طہارت اور وضو کے فوائد کی تکمیل، اور نماز کی تیاری کے لئے جو خدا تعالٰے سے بندے کی سرگوشی و مناجات ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسواک کو مسنون فرمایا، اور اس کی بڑی ترغیب دی ہے، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا:۔

لولا أن أشق علی أمتی لأمرتهم	اگر مجھے امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا
بالسواك عند كل صلاة۔[2]	تو لوگوں کو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہتے، اور اس سے پہلے کچھ نہ کہتے، اور اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ساتھ دونوں ہاتھ اس طرح کہ ان کا رخ قبلہ کی طرف ہو، اور انگلیاں کشادہ ہوں، اٹھاتے، پھر داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھتے، فرض نمازوں میں یہ دعائے استفتاح پڑھتے:۔

سُبحانكَ اللّٰهُمَّ وبِحمدِكَ وتَبارَكَ	اے اللہ ہم تیری پاکی اور حمد بیان کرتے
اسْمُكَ وتَعالىٰ جَدُّكَ ولَا إِلٰهَ	ہیں تیرا نام مبارک، اور تیری عظمت

---

[1] اس سلسلہ میں علامہ ابن قیم ؒ کی "زاد المعاد" کو بنیاد بنایا گیا ہے تفصیلات کو چھوڑ کر جو فقہائے کرام کے اختلافات پر مشتمل ہیں، اور جن میں احادیث کی بنیاد پر اختلاف و ترجیح، اور استنباط و استدلال اہل علم سے مخفی نہیں اور یہ کتاب ان تفصیلات کی متحمل نہیں۔ [2] متفق علیہ۔

غَيْرُكَ۔ | بہت بلند ہے اور تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

نوافل اور تہجد میں مختلف دعائیں آئی ہیں، مثلاً:۔

اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْنِيْ مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ۔

اے اللہ مجھ میں اور میری خطاؤں میں ایسی دوری کر دے جیسی مشرق و مغرب میں تو نے دوری کی ہے اے اللہ مجھے میرے گناہوں سے پانی، برف اور اولے سے دھو دے، اے اللہ مجھے گناہوں و خطاؤں سے ایسا صاف کر دے جیسے میل کچیل سے سفید کپڑا صاف کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد آپ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے، پھر سورہ فاتحہ پڑھتے، آپ کی قراءت صاف اور ایک ایک لفظ الگ کر کے ہوتی، ہر آیت پر ٹھہرتے اور اختتام آیت کو کھینچ کر پڑھتے، جب سورۂ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو آمین کہتے[1] آپ کے دو سکتے ہوتے تھے ایک تو تکبیر اور سورۂ فاتحہ کے درمیان، اور دوسرا سورۂ فاتحہ کے بعد یا رکوع سے پہلے، سورۂ فاتحہ سے فارغ ہو کر کوئی دوسری سورہ پڑھتے، کبھی طویل سورہ ہوتی، اور کبھی سفر وغیرہ کی وجہ سے مختصر سورہ پڑھتے، اکثر اوقات درمیانی سورتیں پڑھتے، جو نہ بہت طویل ہوتیں نہ بہت مختصر، فجر کی نماز میں ساٹھ سے لے کر سو آیتوں تک

---

[1] آمین کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث کی بنیاد پر اس کو زور سے یا دھیرے سے کہنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل کتب احادیث کی شروح، اور کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

معمول تھا، طوالِ مُفصّل[1] کی مختلف سورتیں اس میں تلاوت فرماتے، سفر کی حالت میں فجر میں سورہ "اِذَا زُلْزِلَتْ" اور معوذتین "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" کا پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے، جمعہ کے دن نماز فجر میں "حٰمٓ السجدۃ" اور سورۂ دہر پوری پڑھتے، اور بڑے مجمعوں میں جیسے کہ عید اور جمعہ میں سورۂ "قٓ" اور "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ" اور "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ" اور "هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" پڑھنے کا معمول تھا۔

ظہر میں کبھی کبھی قراءت طویل فرماتے، عصر کی نماز کی قراءت ظہر کی نماز کی قراءت کی آدھی مقدار کی ہوتی، اور اگر ظہر مختصر ہوتی، تو عصر بھی اسی کے برابر ہوتی، مغرب کی نماز میں قراءت طویل بھی فرمائی، اور مختصر بھی، زیادہ تر اس میں قصارِ مفصّل[2] پڑھتے تھے، عشاء کی نماز میں درمیانی سورتیں پڑھا کرتے تھے، اور اسی کو پسند فرماتے تھے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عشاء میں جب سورہ بقرہ پڑھی تو آپ نے نکیر فرمائی، اور فرمایا کہ اے معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کروگے؟!

جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورہ منافقون پوری پڑھتے، یا سورہ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ" اور سورہ "هَلْ اَتَاكَ" پڑھتے، جمعہ وعیدین کے ماسوا کسی نماز کے لئے آپ کوئی سورہ متعین نہیں فرماتے تھے کہ جس کے علاوہ کوئی اور سورہ نہ پڑھیں، فجر کی نماز میں پہلی رکعت دوسری رکعت کے مقابلہ میں طویل فرماتے اور ہر نماز میں پہلی رکعت کچھ طویل ہوتی، فجر کی نماز میں دوسری تمام نمازوں سے زیادہ طویل آپ کی قراءت ہوتی، اس لئے کہ قرآن شریف میں آتا ہے "اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا" (الاسراء-۷۸) (صبح کے وقت قرآن کا

---

[1] طوال مفصل- سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتیں۔ [2] "لَمْ يَكُنْ" سے سورۂ "وَالنَّاسِ" تک کی سورتیں۔

پڑھنا۔ موجب حضور ملائکہ ہے۔)

جب آپ رکوع فرماتے تو اپنے گھٹنوں پر ہتھیلیاں اس طرح رکھتے جیسے کہ گھٹنوں کو پکڑے ہوئے ہوں، اور ہاتھ تان لیتے، اور پہلوؤں سے جدا رکھتے، پیٹھ پھیلا لیتے اور بالکل سیدھی رکھتے، اور کہتے "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" عادۃً آپ کی تسبیحات کی تعداد دس۱۰ ہوتی تھی، اسی طرح سجدہ میں بھی دس۱۰ مرتبہ "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" کہتے، آپ کا عمومی معمول نماز میں اطمینان اور تناسب کا خیال رکھنے کا تھا، رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے فرماتے "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ" رکوع[1] سے اٹھ کر قومہ میں آپ کا دائمی عمل یہ تھا کہ کمر بالکل سیدھی کر لیتے، یہ عمل دونوں سجدوں کے درمیان بھی تھا، جب قومہ میں پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو کہتے "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کبھی اس پر اضافہ بھی فرماتے، پھر تکبیر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں جاتے، اور ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھتے، اور جب اٹھتے تو گھٹنوں سے پہلے دونوں ہاتھ اٹھاتے، اور سجدہ پیشانی اور ناک دونوں پر کرتے، اور پیشانی اور ناک کو اچھی طرح زمین پر رکھتے، اور پہلوؤں سے ہاتھوں کو جدا رکھتے، اور ان کو اس طرح کشادہ کر لیتے کہ بغل کی سفیدی نظر آتی، اور ہاتھ کاندھوں اور کانوں کے سامنے رکھتے سجدہ پورے اطمینان کے ساتھ کرتے، اور پیر کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھتے، اور کہتے "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" کبھی اس پر اضافہ بھی فرماتے، اور نفل نمازوں میں بحالت سجدہ بکثرت دعا کرتے، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سر اٹھاتے، اور ہاتھوں کو اپنی رانوں پر رکھ لیتے، پھر کہتے "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ، وَارْحَمْنِيْ، وَاجْبُرْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ" (اے اللہ

---

[1] رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھانے (رفع یدین) کے بارے میں ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل کتب فقہ میں ملے گی۔

میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، میری دل بستگی فرما، مجھے ہدایت نصیب فرما، اور مجھے رزق عطا فرما) پھر پیروں کے پنجوں، گھٹنوں اور رانوں پر ٹیک لیتے ہوئے اٹھ جاتے، جب کھڑے ہوتے تو بغیر سکتہ کے قراءت شروع فرما دیتے، اور پہلی رکعت جیسی دوسری رکعت بھی پڑھتے، پھر جب تشہد کے لئے بیٹھتے، تو بایاں ہاتھ بائیں ران، اور داہنا ہاتھ دائیں ران پر رکھتے، اور دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی سے اشارہ فرماتے، اور بیٹھنے کی حالت میں تشہد پڑھتے، اور صحابہ کرامؓ کو اسی طرح تشہد پڑھنے کی تعلیم دیتے:۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ	ادب و تعظیم اور اظہار نیاز کے سارے
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ	کلمے اللہ ہی کے لئے ہیں، اور تمام عبادات
وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ	اور تمام صدقات اللہ ہی کے واسطے ہیں
اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ	(اور میں ان سب کا نذرانہ اللہ کے
اِلَّا اللّٰهُ، وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ	حضور میں پیش کرتا ہوں) تم پر سلام ہو
وَرَسُوْلُهٗ۔	اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی
	برکتیں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب
	نیک بندوں پر، میں شہادت دیتا ہوں
	کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے
	لائق نہیں (صرف وہی معبود برحق ہے)
	اور میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ
	محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندے
	اور پیغمبر ہیں۔

اس تشہد میں تخفیف سے کام لیتے، کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ آپ پہلے تشہد میں درود شریف پڑھتے ہوں، یا عذاب قبر، عذاب جہنم، موت وحیات کے فتنہ اور دجال مسیح کے فتنہ سے پناہ اور حفاظت کی دعا مانگتے ہوں۔

پھر پنجوں کے بل گھٹنوں اور رانوں پر ٹیک لیتے ہوئے کھڑے ہو جاتے جیسے پہلی رکعت کے بعد کھڑے ہوئے تھے، اور بقیہ رکعتیں سابق الذکر طریقہ پر پڑھتے، پھر جب آخری رکعت ہوتی جس میں سلام پھیرنا ہے تو تشہد کے لئے بیٹھنے[1] اور پہلے وہی گذشتہ تشہد پڑھتے۔ تشہد کے بعد درود شریف پڑھتے[2] پھر دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ	اے اللہ میں عذاب قبر سے آپ کی پناہ
الْقَبْرِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ	چاہتا ہوں، اور دجال کے فتنہ سے
الدَّجَّالِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ	آپ کی پناہ چاہتا ہوں، اور زندگی اور موت کے
الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ	فتنہ سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، اور گناہوں
اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔[3]	اور قرض کے بوجھ سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

---

[1] فقہاء ومحدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ تشہد کے لئے آپ کس ہیئت سے بیٹھتے تھے، آیا داہنا پیر نکال کر اور کھڑا کر کے بائیں پیر پر بیٹھتے تھے، یا دونوں پیر نکال کر کولھے پر بیٹھتے تھے، تفصیل کے لئے کتب فقہ وشروح حدیث دیکھئے۔

[2] حاکم نے قوی سند سے مستدرک میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: "آدمی تشہد پڑھے، پھر درود شریف پڑھے، پھر اپنے لئے دعا کرے" (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الصلاۃ علی النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔) اور صحیحین میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا "پھر تم میں جس کو جو دعا پسند ہو وہ دعا کرے"۔

[3] حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو یہ دعا سکھاتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

(باقی صفحہ پر)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ نے یہ دعا بھی تعلیم فرمائی تھی :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا	اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم
کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ	ڈھایا، اور گناہ صرف آپ ہی معاف
فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ	فرمانے والے ہیں، تو.... مجھے اپنی خاص
وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ	مغفرت نصیب فرمائیے اور رحم فرمائیے،
الرَّحِیْمُ	آپ بہت ہی مغفرت فرمانے والے اور
	بڑے مہربان ہیں۔

ان کے علاوہ بھی دعائیں ثابت ہیں، پھر داہنی طرف سلام پھیرتے اور کہتے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرتے، پھر داہنی یا بائیں جانب رخ کر کے بیٹھ جاتے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے اختتام کا "اللہ اکبر" "اللہ اکبر" کی آواز سے پتہ چلالیتا تھا"[1] اور سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ استغفار پڑھتے اور کہتے :۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ	اے اللہ تو ہی سلامتی ہے اور تجھ ہی سے سلامتی
تَبَارَكْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔	ہے تو بابرکت ہے اے عزت و بزرگی والے۔

(باقی صـ۱۰۰ کا) نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی چار چیزوں سے .... پناہ مانگے، جہنم کے عذاب سے، اور عذاب قبر سے اور موت و حیات کے فتنے سے اور مسیح دجال کے شر سے" (مسلم شریف) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو یہ دعا اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن پاک کی کوئی سورہ" (مسلم شریف) [1] بخاری شریف "باب الذکر بعد الصلاۃ"۔

اور اتنی ہی دیر قبلہ رُخ رہتے جتنی دیر یہ کہہ لیں، پھر تیزی سے مقتدیوں کی طرف رخ فرما لیتے کبھی دائیں جانب سے رخ فرماتے، کبھی بائیں جانب، اور ہر فرض نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔	اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں، سب کچھ اسی کا، ساری تعریفیں اسی کی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ جو آپ دیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو روک دیں اس کو کوئی دینے والا نہیں، اور آپ کی طرف کسی نصیب والے کو اس کا نصیب فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔

اور کہتے:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی حکومت ہے، اور اسی کی سب تعریفیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، خدا کے علاوہ (کسی کے پاس) قوت ہے، نہ طاقت۔

اور یہ بھی کہتے:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ،	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم صرف

لہٗ النِّعمۃُ ولہُ الفضلُ ولہُ الثَّناءُ الحسنُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ولَا نعبدُ اِلَّا اِیّاہُ، مُخلِصِینَ لہُ الدِّینَ ولَوْ کَرِہَ الکافِرُونَ۔

اسی کی عبادت کرتے ہیں اسی کا انعام واحسان ہے اور اسی کی اچھی تعریفیں اور خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں دین کو اس کے لئے خالص کرکے، خواہ کافروں کو کیسا ہی برا لگے۔

آپ نے امت کے لئے یہ مستحب قرار دیا ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد سُبحانَ اللہ ۳۳ مرتبہ اَلحمدُ لِلّٰہ ۳۳ مرتبہ اور اَللہُ اَکبر ۳۳ مرتبہ کہیں، اور سَو کا عدد "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحدَہٗ لَا شَرِیکَ لہٗ لہُ المُلکُ ولہُ الحمدُ وھُوَ علیٰ کُلِّ شَیءٍ قَدِیر" کہہ کر پورا کریں، اور ایک دوسری روایت میں اَللہُ اَکبر کا ۳۴ مرتبہ کہنا بھی آیا ہے۔

سنن ونوافل میں ۱۲ رکعتوں کا حالت اقامت میں ہمیشہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اہتمام فرمایا کرتے تھے، ظہر سے پہلے چار رکعت، اور دو رکعت ظہر کے بعد، اور مغرب کے بعد دو رکعت، اور عشا کے بعد دو رکعت، اور دو رکعتیں فجر سے پہلے ان سنتوں کو اکثر اپنے گھر میں پڑھا کرتے تھے، اور حالتِ اقامت میں کبھی ان کو ترک نہیں فرماتے تھے، آپ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کسی کام کو شروع کرتے تو اس کو معمول بنا لیتے، ان سنتوں میں سب سے اہم سنت فجر کی سنت ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نوافل وسنن میں کسی نماز کا اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا فجر کی اس دوگانہ سنت کا،[1] آپ کا معمول تھا کہ نوافل وسنن گھر پر ادا فرماتے تھے،

---

[1] صحاح ستہ۔

اور وتر کا سفر و حضر میں اہتمام فرماتے تھے، اسی طرح فجر کی سنتوں کا، وتر نوافل و سنن میں سب سے موکد نماز ہے، فجر کی سنت ادا فرما کر آپ داہنی کروٹ آرام فرماتے، جماعت کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے "کہ جماعت کی نماز تنہا پڑھی جانے والی نماز پر ۲۷ درجہ فوقیت رکھتی ہے[1]" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "ہم نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ (جماعت سے) پیچھے رہنے والا وہی منافق ہوتا تھا جس کا نفاق کھلا ہوا ہو (ورنہ جماعت میں) وہ آدمی بھی لایا جاتا تھا، جس کو دو شخص پکڑ کر لائیں اور صف میں کھڑا کر دیں[2]!"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر و حضر میں کبھی تہجد ترک نہیں فرماتے تھے، اور اگر کبھی نیند غالب آجائے، یا تکلیف کی وجہ سے نہ پڑھ سکے تو دن میں بارہ[۱۲] رکعتیں پڑھ لیتے تھے، رات میں آپ (وتر کے ساتھ) گیارہ[۱۱] رکعتیں یا تیرہ[۱۳] رکعتیں پڑھتے، تہجد اور وتر کا معمول مختلف رہا ہے، وتر میں قنوت بھی پڑھتے تھے، رات کو قراءت کبھی سری فرماتے کبھی جہری، کبھی طویل رکعتیں پڑھتے کبھی مختصر اور زیادہ تر آخری رات میں وتر پڑھتے تھے، رات دن میں کسی وقت بھی بحالت سفر سواری پر خواہ کدھر ہی اس کا رخ ہو نفل نمازیں پڑھ لیتے تھے، اور رکوع و سجدہ اشارہ سے فرماتے تھے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرامؓ کسی بڑی نعمت کے

---

[1] متفق علیہ [2] مسلم شریف۔ جماعت کا یہ حکم مردوں کے لئے ہے، ورنہ جہاں تک مسلمان عورت کا تعلق ہے تو اس کی نماز اپنے گھر میں مسجد سے افضل ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی نماز اپنی خوابگاہ میں پڑھنا اپنے کمرہ اور دالان میں پڑھنے سے بہتر ہے! اپنی کوٹھری میں پڑھنا خوابگاہ میں پڑھنے سے بہتر ہے" (ابوداؤد)

ظہور یا بڑی مصیبت ٹل جانے کے موقعہ پر سجدۂ شکر بجالاتے تھے' اور قرآن میں اگر آیت سجدہ کی تلاوت فرماتے یا سنتے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلے جاتے۔

جمعہ کی بڑی تعظیم واحترام فرماتے اور اس میں کچھ ایسی عبادتیں فرماتے جو اور دنوں میں نہ فرماتے' جمعہ کے غسل' اور عطر لگانے اور نماز کے لئے جلدی جانے کو آپ نے مسنون قرار دیا ہے' اس دن سورۂ کہف کی تلاوت کا اہتمام فرماتے تھے' حسب استطاعت اچھے کپڑے پہنتے تھے' امام احمدؒ بروایت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اپنی "مسند" میں نقل کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "جمعہ کے دن غسل کرے اور عطر — اگر اس کے پاس ہو — لگائے' اور حسب استطاعت اچھے کپڑے پہنے پھر سکون و وقار کے ساتھ مسجد جائے' پھر اگر چاہے تو نوافل پڑھے' اور کسی کو تکلیف نہ دے' اور پھر جب امام منبر پر آجائے اس وقت سے نماز کے اختتام تک خاموش رہے' (اور توجہ سے خطبہ سنے) (اگر ایسا کرے گا) تو ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کے لئے یہ کفارہ ہوگا" جمعہ کے دن ایک قبولیت کی گھڑی ہے' صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت ہے کہ اگر کوئی مسلمان بندہ اس کو اس حال میں پالے کہ وہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہو' اور اللہ سے سوال کر رہا ہو' تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عنایت فرمائیگا" اس ساعت کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے' راجح قول یہی ہے کہ وہ عصر کے بعد کی ایک ساعت ہے' امام احمدؒ اور جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مسلک ہے۔

جمعہ میں خطبہ مختصر دیتے اور نماز طویل پڑھتے تھے' اور ذکر کی کثرت کرتے تھے' اور جامع و مانع الفاظ ارشاد فرماتے تھے' خطبہ میں صحابہ کرام کو اسلام کے اصول و قواعد

اور احکام کی تعلیم دیتے، اور ضرورت کے مطابق کسی چیز سے روکتے، کسی چیز کا حکم فرماتے تھے، ہاتھ میں تلوار وغیرہ نہیں لیتے تھے، ہاں منبر بننے سے پہلے کمان یا عصا پر ٹیک لگاتے تھے، کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر تھوڑی دیر کے لئے بیٹھتے، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ دیتے تھے، فارغ ہوتے ہی حضرت بلال رضؓ اقامت شروع کر دیتے تھے۔

عید اور بقرعید کی نمازیں عیدگاہ میں پڑھتے تھے، صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے اپنی مسجد میں عید کی نماز ادا فرمائی، عیدین کے دن خوبصورت پوشاک زیب تن فرماتے تھے، عید کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے طاق عدد کھجوریں نوش فرماتے تھے، اور بقرعید کے دن عیدگاہ سے واپسی سے پہلے کچھ تناول نہیں فرماتے تھے، واپس آکر ہی قربانی کا گوشت تناول فرماتے، عیدین کے لئے غسل فرماتے تھے، اور عیدگاہ پہونچتے ہی اذان واقامت کے بغیر نماز شروع فرمادیتے، عیدگاہ میں آپ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور آپ کے صحابہ کرام نہ نماز عید سے پہلے کوئی نماز پڑھتے اور نہ نماز عید کے بعد، خطبہ سے پہلے دوگانہ عید ادا کرتے اور تکبیرات میں اضافہ فرماتے[1]، جب نماز مکمل فرمالیتے تو لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو جاتے اس حال میں کہ لوگ بیٹھے ہوتے، اور پھر وعظ و نصیحت فرماتے، کوئی حکم دینا ہوتا تو حکم دیتے، کسی امر سے روکنا ہوتا تو اس سے روکتے، کوئی وفد یا لشکر بھیجنا ہوتا تو بھیجتے، یا جیسی ضرورت ہوتی ویسا کرتے، پھر خواتین کے پاس آکر ان کو وعظ و نصیحت فرماتے، خواتین بکثرت صدقات و خیرات کرتیں، عید و بقرعید کے خطبوں میں کثرت سے تکبیر کے الفاظ دہراتے، عید کے دن ایک راستہ سے آتے اور دوسرے راستہ سے جاتے۔

---

[1] زائد تکبیریں کتنی ہوں اس سلسلہ میں فقہاء کا کیا اختلاف ہے؟ اس کی تفصیل کے لئے کتب فقہ وحدیث دیکھئے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج گہن (کسوف) کی نماز[1] بھی پڑھی ہے، اور اس موقعہ پر بڑا موثر خطبہ بھی دیا، یہ نماز صرف ایک مرتبہ حضرت ابراہیمؓ کی وفات کے موقعہ پر آپ نے ادا فرمائی، اور غلط خیالات کی یہ اعلان فرماکر تردید فرمائی :۔

إن الشمس والقمر آيتان من آيات الله لا ينخسفان لموت أحد ولا لحياته، فإذا رأيتم ذلك فادعوا الله وكبروا، وصلوا وتصدقوا۔[2]	سورج اور چاند خدا تعالےٰ کی نشانیوں میں دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت وحیات کی وجہ سے ان میں گہن نہیں لگتا، جب تم ایسا دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، اس کی عظمت بیان کرو، نماز پڑھو، صدقہ خیرات کرو۔

نماز استسقاء بھی مختلف طریقوں[3] سے آپ سے ثابت ہے، جنازہ کے سلسلہ میں آپ کا طریقہ وسنت تمام قوموں کے طریقوں سے الگ تھا، نماز جنازہ دو چیزوں کی جامع ہوتی، خدا کی عبادت اور بندگی کا کھلا ہوا اقرار، اور میت کے لئے دعا واستغفار، اور اس کے ساتھ بہترین ومفید ترین تعلق کا اظہار، آپ اور تمام مسلمان صفیں باندھ کر کھڑے ہوجاتے، خدا کی حمد وثنا بیان کرتے، اور میت کے لئے دعا واستغفار کرتے،[4] نماز جنازہ کا اصل مقصود ہی میت کے لئے دعا ہے، جب قبرستان تشریف لے جاتے تو مُردوں کے لئے دعا واستغفار، اور ان کے حق میں خدا کی رحمت کی درخواست کرتے صحابہ کرامؓ کو قبروں کی زیارت کے وقت یہ کہنے کی وصیت فرماتے۔

---

[1] اس نماز کے احکام وتفصیلات کے لئے کتب فقہ دیکھی جائیں۔ [2] بخاری شریف، باب الصدقۃ فی الکسوف
[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو" زاد المعاد" ج ۱ [4] تفصیل کے لئے کتب حدیث وفقہ دیکھئے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ	تم پر سلامتی ہو اے قبرستان کے مومنو
الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ	اور مسلمانو، ہم بھی انشاء اللہ تم سے
بِکُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا	ملنے والے ہیں، ہم خدا تعالےٰ سے اپنے
وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ۔	اور تمہارے لئے عافیت کے طالب ہیں

صدقات اور زکوٰۃ[1] کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق کار

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مال کے ساتھ رویہ اور اپنے اہل بیت کے ساتھ آپ کا معاملہ اس نبوی نقطۂ نظر کا پورا ترجمان تھا جو مال، زندگی، اور کائنات کے بارے میں آپ نے اختیار فرما رکھا تھا، یہ ایک ایسی حقیقت کا نقطۂ نظر تھا جس کے سامنے خدا کی عظمت اور جلال ہر وقت عیاں تھا، اس کے اخلاق، اخلاقِ الٰہی کا نمونہ تھے، اور یوم آخرت پر ہر وقت اس کی نظر رہتی تھی، اور اس کی زبان یوں گویا تھی :۔

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ۔[2]	اے اللہ زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے۔

وہ اللہ سے دعا کرتا تھا اور کہتا تھا :۔

اُشْبِعُ یَوْمًا وَاَجُوْعُ یَوْمًا۔[3]	(مجھے یہ اچھا لگتا ہے) کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں، ایک دن بھوکا رہوں۔
اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔[4]	اے اللہ آل محمد کو گذارہ بھر کے لئے رزق عطا فرما۔

---

[1] زکوٰۃ کے احکام سے تفصیلی واقفیت کے لئے کتب فقہ وحدیث کے مطالعہ کے ساتھ ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی "فقہ الزکاۃ" دیکھئے۔ [2] بخاری شریف [3] ترمذی شریف [4] بخاری شریف۔

آپ اپنی ضرورت سے زائد، اور اموال صدقات میں سے بچا ہوا مال تھوڑی دیر کے لئے بھی رکھنا پسند نہ فرماتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وفات کے زمانہ میں میرے پاس چھ یا سات دینار تھے، آپ نے مجھے حکم دیا کہ اس کو تقسیم کر دوں، حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکلیف کی وجہ سے مجھے اس کا موقعہ نہ ملا، پھر آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم نے ان چھ سات دیناروں کے ساتھ کیا کیا؟ میں نے کہا میں آپ کی تکلیف کی وجہ سے ایسی مشغول ہوئی کہ خیال نہ رہا، آپ نے اس کو منگوایا، اور اپنے ہاتھ پر رکھا، اور فرمایا کہ اللہ کے نبی کا کیا گمان ہوگا، اگر وہ خدا سے اس حال میں ملے کہ اس کے پاس یہ ہو[1] صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

"جس کے پاس ایک سواری زائد ہو تو جس کے پاس ایک سواری بھی نہ ہو اس کو دے دے، جس کے پاس سامان.. زائد ہو تو اس کو دے دے جس کے پاس سامان نہ ہو[2]۔

علامہ ابن قیم نفلی صدقات کے بارے میں آپ کا طریقہ و معمول ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مال کو سب سے زیادہ صدقات و خیرات میں صرف فرماتے تھے، اللہ تعالٰے جو بھی آپ کو عطا فرماتا، آپ نہ اس کو بہت زیادہ سمجھتے نہ کم ہی سمجھتے، آپ سے اگر کوئی شخص سوال کرتا اور آپ کے پاس وہ چیز ہوتی، تو کم و بیش کا خیال کئے بغیر اس کو عنایت فرما دیتے، آپ اس طرح دیتے تھے جیسے کمی و تنگی کا کوئی خوف نہ ہو، عطیات، صدقات، و خیرات آپ کا محبوب عمل تھا، آپ دے کر اتنا خوش و مسرور

---

[1] بخاری، مسند ابن حنبل اور سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

[2] ابوداؤد بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ماخوذ از "ارکان اربعہ"

ہوتے جتنا لینے والا لے کر نہ ہوتا تھا، آپ جود و سخا میں فرد تھے، آپ کا ہاتھ صدقات کی باد بہاری تھا، اگر کوئی محتاج و ضرورت مند آجاتا تو اپنے اوپر اس کو ترجیح دیتے، اور ایثار سے کام لے کر کبھی کھانا، کبھی کپڑا عنایت فرما دیتے، آپ کے دینے کے انداز اور وجوہ بھی مختلف ہوتے تھے، کبھی ہبہ کر دیتے، کبھی صدقہ دیتے، کبھی ہدیہ کے نام سے مرحمت فرماتے، کبھی کسی سے کوئی چیز خریدتے، پھر اس کو اس کا سامان اور قیمت دونوں ہی عنایت فرما دیتے، جیسا آپؐ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا، کبھی کسی سے قرض لیتے اور جب قرض واپس کرتے تو اصل سے زائد اور بہتر دیتے، کبھی کوئی چیز خریدتے اور اصل قیمت سے زائد مرحمت فرماتے، ہدیہ قبول فرماتے، پھر اس سے بہتر یا کئی گنا زائد ہدیہ دیتے، غرض کہ ہر ممکن طریقہ سے صدقات و خیرات اور نیکی و صلہ رحمی کے نئے نئے طریقے، اور نرالے انداز پیدا فرما لیتے، صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[1]

زکوٰۃ کے بارے میں بھی وقت، مقدار، نصاب، اور کس پر واجب ہوتی ہے؟ اور اس کے کیا مصارف ہیں، ہر اعتبار و لحاظ سے آپؐ کی لائی ہوئی شریعت، اور آپؐ کا طریقہ بڑا کامل و مکمل اور جامع ہے، آپؐ نے اس میں اہل ثروت کا بھی خیال فرمایا، اور مسکینوں اور محتاجوں کی مصلحت کا بھی، اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو مال اور صاحبِ مال کے لئے پاکیزگی کا سبب اور اہل ثروت اور اغنیاء پر انعامات کا ذریعہ بنایا ہے۔[2]

آپؐ کا طریقہ و معمول یہ تھا کہ جس علاقہ کے اغنیاء سے زکوٰۃ لیتے اسی علاقہ کے فقراء اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے، اگر وہ ان کی ضرورت سے زائد ہوتی تو آپؐ کی

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۱۵۶ [2] قرآن میں ارشاد باری تعالےٰ ہے "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ" (سورۂ براءۃ ـ ۱۰۳)

خدمت میں لائی جاتی اور آپؐ اس کو خود تقسیم فرماتے، زکوٰۃ لینے والوں کو آپ صرف ان اہل اموال کے پاس بھیجتے تھے جو چوپائے کھیتی، باغات جیسی نمایاں املاک و سرمایہ کے مالک ہوں[1]، آپؐ کا یہ طریقہ نہ تھا کہ زکوٰۃ میں صاحبِ مال کا اچھا مال لے لیا جائے، بلکہ درمیانی درجہ کا لیا جائے، آپؐ نے فطرہ کی ادائیگی بھی ضروری فرمائی، اور آپؐ کا معمول یہ تھا کہ عیدگاہ جانے سے پہلے فطرہ نکال دیتے تھے۔

روزہ اور اسوۂ نبویؐ[2]

سنہ ۲ھ میں روزے کی فرضیت ہوئی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۹۔ رمضان کے روزے رکھ کر وفات پائی۔

روزے کے بارے میں اگر آپؐ کا طریقہ ایک طرف جامع و مکمل، اور حصول مقصد (اصلاح نفس و اظہار عبودیت) کا مفید ترین و مؤثر ترین ذریعہ تھا، تو دوسری طرف سہل و آسان بھی تھا، رمضان مبارک میں آپ مختلف عبادات کی کثرت فرماتے تھے، حضرت جبرئیلؑ آتے تھے، اور آپ سے قرآن پاک کا دور کرتے تھے، اور جب حضرت جبرئیلؑ آتے تھے، تو اس وقت آپؐ کے جود و سخا کا فیض اس طرح جاری ہوتا تھا، جیسے انعامات و عطا کی باد تند و تیز ہو، رمضان میں آپؐ بہت سی وہ عبادتیں کرتے تھے، جو غیر رمضان میں نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ کبھی کبھی مسلسل روزہ رکھتے، حالانکہ صحابۂ کرام کے لئے آپ نے صوم وصال (مسلسل روزہ) ممنوع قرار دے رکھا تھا، جب صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا، تم میں تمہاری طرح نہیں ہوں،

---

[1] فقہاء کی اصطلاح میں اس کو اموال ظاہرہ کہتے ہیں۔ [2] تلخیص از زاد المعاد ص ۱۵۱ – ۱۵۵

میں اپنے رب کے پاس اس حال میں رات گذارتا ہوں (اور ایک روایت میں ہے کہ دن گذارتا ہوں) کہ وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے" سحری کھانے پر آپؐ زور دیتے، اس کی ترغیب دینے اور مسلمانوں کے لئے اس کو مسنون قرار دیتے تھے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "سحری کھاؤ، کیونکہ سحری میں برکت ہے"[1] اور آپ سے صحیح روایت یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق سحری کے کھانے کا ہے"[2] افطار میں تاخیر کرنے سے منع فرماتے، اور اس کو مفاسد کا ذریعہ اور غالی اہل کتاب کا شعار بتاتے اور فرماتے: "لوگ اس وقت تک خیر کے ساتھ رہیں گے، جب تک افطار میں (وقت آنے پر) تعجیل سے کام لیں گے"[3] اور فرماتے: "دین اس وقت تک غالب رہے گا، جب تک لوگ افطار میں تعجیل کریں گے، کیونکہ یہود و نصاریٰ تاخیر کرتے ہیں"[4] اور سحری میں آپؐ اور آپؐ کے اصحاب کا طریقہ تاخیر کا تھا.

معمول یہ تھا کہ نماز سے پہلے افطار کرتے، چند رُطَب (تر کھجوریں) اگر موجود ہوتیں، تناول فرماتے، اگر نہ ملتیں تو خشک کھجوریں تناول فرماتے، ورنہ پانی ہی کے چند گھونٹ پی لیتے، افطار کرتے وقت فرماتے :-

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ.	اے اللہ آپ ہی کے لئے روزہ رکھا اور آپ ہی کے رزق سے افطار کرتے ہیں.

اور فرماتے :-

ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی.[5]	پیاس بجھ گئی، رگیں تر ہو گئیں، اور انشاء اللہ تعالے اجر ثابت ہو گیا.

---

[1] صحیحین و ترمذی و نسائی [2] مسلم شریف [3] صحیحین مؤطا، ترمذی [4] ابوداؤد
[5] بخاری شریف "باب فضل من قام رمضان"

رمضان مبارک میں آپ نے اسفار بھی فرمائے ہیں، کبھی روزہ رکھا، کبھی نہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو روزہ رکھنے نہ رکھنے کا اختیار دیا، اگر جنگ سر پر ہوتی تو روزہ نہ رکھنے کا حکم دیتے تاکہ دشمن سے جنگ کرنے کی قوت رہے، رمضان ہی میں آپؐ نے سب سے عظیم اور فیصلہ کن غزوہ غزوۂ بدر، اور غزوۂ فتح مکہ کا سفر کیا، نماز تراویح آپؐ نے تین دن پڑھائی، شدہ شدہ بہت سے لوگوں تک خبر پہونچ گئی، اور مجمع کثیر اکٹھا ہوگیا، چوتھی رات میں مجمع اتنا ہوگیا کہ مسجد ناکافی ہوگئی، اس رات آپؐ گھر سے نماز فجر ہی کے لئے نکلے، اور نماز فجر کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا، میں تمہارے یہاں (اس تعداد میں) موجود ہونے سے لاعلم نہ تھا، لیکن مجھے اس کا خوف ہوا کہیں یہ (نفل نماز تراویح) تم پر فرض نہ کر دی جائے، اور پھر وہ تم سے نبھ نہ سکے، پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک بات یہیں تک رہی[۱]، آپؐ کے بعد صحابۂ کرامؓ نے تراویح کا اہتمام کیا، یہاں تک کہ وہ اہل سنت کا شعار بن گئی[۲]۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بکثرت نفل روزے رکھتے تھے، اور ترک بھی فرماتے تھے، رکھتے تو خیال ہوتا کہ رکھتے ہی رہیں گے، اور چھوڑتے تو خیال ہوتا کہ اب نہیں رکھیں گے، لیکن رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے روزے نہیں رکھے، اور شعبان میں جتنے روزے رکھتے تھے، اتنے کسی مہینہ میں نہیں رکھتے تھے، دوشنبہ اور جمعرات کے روزہ کا خاص اہتمام فرماتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ـــــ

[۱] بخاری شریف: "باب فضل من قام رمضان" [۲] تراویح، اس کے آغاز اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جس طرح اس کو منظم طریقہ پر باجماعت ادا کرنے کا اہتمام فرمایا، اور اس کی رکعتوں کی تعداد وغیرہ کے سلسلہ میں کتب شروح حدیث اور کتب فقہ کا مطالعہ کیجئے۔

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ـــــ سفر و حضر کسی حالت میں ایام بیض (مہینہ کی ۱۳-۱۴-۱۵) کے روزے نہیں چھوڑتے تھے[1] اور اس کی تاکید فرماتے تھے، اور دنوں کے مقابلہ میں عاشوراء کا خاص اہتمام تھا، آپؐ نے عاشوراء کا روزہ رکھا، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ یہ دن تو یہود و نصاریٰ کے ہاں مقدس دن ہے، آپؐ نے فرمایا، اگر آئندہ سال موقعہ ملا تو انشاء اللہ نویں کا بھی روزہ رکھیں گے۔

یوم عرفہ کو آپ روزہ نہیں رکھتے تھے، آپؐ کا معمول کئی کئی دن پے در پے روزہ رکھنے، یا صوم دہر کا نہیں تھا، آپؐ سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ کو صوم داؤد سب سے زیادہ پسند ہے، وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے، ایک دن چھوڑتے تھے[2]۔ آپؐ کی یہ بھی عادت شریفہ تھی کہ گھر تشریف لے جاتے اور دریافت فرماتے کچھ کھانے کو ہے؟ اگر جواب نفی میں ملتا تو فرماتے تو اچھا آج میں روزہ سے ہوں۔

وفات تک آپؐ کا معمول رہا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، ایک مرتبہ وہ رہ گیا تو شوال میں اس کی قضا کی، ہر سال دس دن کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے، لیکن جس سال وفات ہوئی اس سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال آپؐ سے ایک مرتبہ قرآن شریف کا دور کرتے تھے، لیکن سال وفات دو مرتبہ دور کیا[3]۔

حج و عمرہ کے بارے میں طریقہ و اسوۂ نبوی[4]

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[1] نسائی شریف [2] مسلم شریف، کتاب الصیام [3] تلخیص از زاد المعاد ص۱۵۸-۱۷۶ مع اضافات
[4] حج کی حکمتوں و اسرار کے لئے مولف کی کتاب ارکان اربعہ کا باب "حج" اور احکام و تفصیلات کے لئے "زاد المعاد" ملاحظہ فرمایئے۔

صرف ایک حج فرمایا، اور وہی حجۃ الوداع تھا، جو باتفاق سنہ ۱۰ھ میں ادا فرمایا گیا، حج کی فرضیت باختلاف رائے سنہ ۹ھ یا سنہ ۱۰ھ میں ہوئی ہے، ہجرت کے بعد آپؐ نے چار عمرے کئے، وہ سب ماہ ذی قعدہ میں ہوئے۔

آپؐ کے حج کا اجمالی بیان حسب ذیل ہے[1]:۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا اور لوگوں کو اس کی اطلاع کر دی کہ آپؐ حج کے لئے جانے والے ہیں، یہ سن کر لوگوں نے آپ کے ساتھ حج میں جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اس کی خبر مدینہ کے اطراف میں بھی پہونچی اور وہاں سے لوگ جوق در جوق مدینہ حاضر ہوئے، راستہ میں اتنی بڑی تعداد میں لوگ اس قافلہ میں شامل ہوتے گئے، کہ ان کا شمار مشکل ہے، خلقت کا ایک ہجوم تھا، جو آگے پیچھے، داہنے، بائیں حدِّ نگاہ تک آپؐ کو اپنے جلو میں لئے ہوئے تھا، آپؐ مدینہ سے دن میں ظہر کے بعد ۲۵ ذی القعدہ کو سنیچر کے دن روانہ ہوئے، پہلے ظہر کی چار رکعتیں آپؐ نے ادا فرمائیں، اس سے پہلے خطبہ دیا، اور اس میں احرام کے واجبات وسنن بیان فرمائے۔

پھر تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے، اس کے الفاظ تھے:۔

لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ

لَكَ لَبَّیْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ

وَالْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ۔

---

[1] اس تلخیص میں ہم نے "زاد المعاد" پر اعتماد کیا ہے، جس میں مؤلف نے روایت تاریخ اور فقہ ہر اعتبار سے موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے، یہ تلخیص مؤلف کی کتاب "نبی رحمتؐ" سے نقل کی جا رہی ہے۔

مجمع ان الفاظ میں کبھی اختصار (کبھی فرطِ شوق سے حذف واضافہ کرتا) آپؐ اس پر کوئی نکیر نہ فرماتے، تلبیہ کا سلسلہ آپؐ نے برابر جاری رکھا، اور عرج میں پہونچ کر پڑاؤ کیا آپ کی سواری اور حضرت ابوبکرؓ کی سواری ایک تھی۔

پھر آگے روانہ ہوئے اور "الأبواء" پہونچے، وہاں چل کر وادی عسفان اور سرف میں پہونچے، پھر وہاں سے روانہ ہو کر "ذی طُوی" میں منزل کی، اور سنیچر کی رات وہاں گذاری یہ ذی الحجہ کی چار تاریخ تھی، فجر کی نماز آپ نے یہیں ادا فرمائی، اسی روز غسل بھی فرمایا، اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے، مکہ میں آپؐ کا داخلہ دن میں بالائی مکہ کی طرف سے ہوا، وہاں سے چلتے ہوئے آپؐ حرم شریف میں داخل ہوئے، یہ چاشت کا وقت تھا، بیت اللہ پہ نظر پڑتے ہی آپؐ نے فرمایا:۔

اَللّٰهُمَّ زِدْ بَيْتَكَ هٰذَا تَشْرِيفًا وَتَعْظِيمًا وَتَكْرِيمًا وَمَهَابَةً۔	اے اللہ اپنے اس گھر کی عزت و شرف تعظیم و تکریم، اور رعب و ہیبت میں اور اضافہ فرما۔

دست مبارک بلند کرتے، تکبیر کہتے اور ارشاد فرماتے:۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ۔	اے اللہ آپ سلامتی ہیں، آپ ہی سے سلامتی کا وجود ہے، اے ہمارے رب ہم کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ۔

جب حرم شریف میں آپؐ داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپؐ نے کعبہ کا رخ کیا، حجر اسود کا سامنا ہوا، تو آپ نے بغیر کسی مزاحمت کے اس کا بوسہ لیا، پھر طواف کے لئے داہنی طرف رخ کیا، بیت اللہ آپ کے بائیں طرف تھا، اس طواف کے پہلے

تین شوط میں آپؐ نے رَمَل کیا۔[1]

آپؐ تیزی سے قدم اٹھاتے تھے، قدموں کا فاصلہ مختصر ہوتا تھا، اپنی چادر آپؐ نے اپنے ایک شانہ پر ڈال لی تھی، دوسرا شانۂ مبارک کھلا ہوا تھا[2]، جب آپ حجر اسود کے سامنے گذرتے تو اس کی طرف اشارہ کر کے اپنی چھڑی سے استلام کرتے، جب طواف سے فراغت ہوگئی تو مقام ابراہیم کے پیچھے تشریف لائے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ

مُصَلًّى ط (سورۂ البقرہ ۔ ۱۲۵)

اس کے بعد یہاں دو رکعتیں پڑھیں، نماز سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کے قریب تشریف لے گئے، اور اس کا بوسہ لیا، پھر صفا کی طرف اس دروازہ سے چلے جو آپ کے مقابل تھا، جب اس کے قریب آئے تو فرمایا۔

"اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ، اَبْدَ أُ بِمَا بَدَ أَ اللّٰهُ بِهٖ" (صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر اور نشانیوں میں سے ہیں، میں شروع کرتا ہوں اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔)

پھر آپؐ صفا تشریف لے گئے یہاں تک کہ بیت اللہ آپ کو نظر آنے لگا، پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و کبریائی کا اعلان کیا:۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے
لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ	اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا سب ملک

---

[1] رَمَل کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو مناسک و مسائل حج کی کتابیں۔ [2] جس کو اصطلاح میں "اضطباع" کہتے ہیں، تفصیل کے لئے مسائل حج کی کتابیں دیکھی جائیں۔

شَیْءٍ قَدِیْرٌ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔	اور بادشاہی ہے اور اسی کے لئے ساری حمد و تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد فرمائی، اور تمام جماعتوں اور گروہوں کو تنہا شکست دی۔

مکہ میں آپ نے چار روز یک شنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ قیام فرمایا، جمعرات کے روز دن نکلتے ہی آپ تمام مسلمانوں کے ساتھ منیٰ تشریف لے آئے، ظہر و عصر کی نمازیں یہیں ادا فرمائیں، اور رات بھی یہیں بسر کی، یہ جمعہ کی رات تھی، جب آفتاب نکل آیا تو آپ عرفہ کی طرف روانہ ہوئے، آپ نے دیکھا کہ نمرہ میں آپ کے لئے خیمہ لگایا جا چکا ہے، چنانچہ آپ اسی میں اترے، جب زوال کا وقت ہو گیا تو اپنی اونٹنی "قصواء" کو تیار کرنے کا حکم دیا، پھر وہاں سے روانہ ہو کر عرفہ کے میدان کے وسط میں آپ نے منزل کی، اور اپنی سواری ہی پر تشریف رکھتے ہوئے ایک مہتم بالشان خطبہ دیا، جس میں آپ نے اسلام کی بنیادوں کو واضح کیا، اور شرک و جہالت کی بنیادیں منہدم کر دیں، اس میں ان تمام حرام چیزوں کی آپ نے تحریم فرمائی جن کے حرام ہونے پر تمام مذاہب و اقوام متفق ہیں، اور وہ ہیں، ناحق خون کرنا، مال غصب کرنا، آبرو ریزی، جاہلیت کی تمام باتوں اور مروّجہ کاموں کو اپنے قدموں کے نیچے پامال کر دیا، جاہلیت کا سود کُل کا کُل آپ نے ختم کر دیا، اور اس کو بالکل باطل قرار دیا، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی، اور ان کے جو حقوق ہیں، نیز ان کے ذمہ جو حقوق ہیں، ان کی توضیح کی اور یہ بتایا کہ دستور کے مطابق، اخلاق و حسن سلوک کے معیار پر خوراک

اور لباس، نان نفقہ ان کا حق ہے۔

امت کو آپؐ نے کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہنے کی وصیت کی، اور ارشاد فرمایا کہ "جب وہ اس کے ساتھ اپنے کو اچھی طرح وابستہ رکھیں گے، گمراہ نہ ہوں گے" آپؐ نے ان کو آگاہ کیا کہ ان سے کل قیامت کے دن آپ کے بارے میں سوال ہوگا، اور ان کو اس کا جواب دینا ہوگا۔ اس موقعہ پر آپؐ نے تمام حاضرین سے دریافت فرمایا کہ وہ اس موقعہ پر کیا کہیں گے، اور کیا گواہی دیں گے؟ سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے پیغام حق بے کم و کاست پہونچا دیا، اپنا فرض پورا کیا، اور خیر خواہی کا حق ادا کر دیا، یہ سن کر آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار اللہ تعالیٰ کو ان پر گواہ بنایا، اور ان کو حکم دیا جو یہاں موجود ہے، وہ ان لوگوں تک یہ بات پہونچا دے جو یہاں موجود نہیں۔

جب آپؐ اس خطاب سے فارغ ہوئے، تو آپؐ نے بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، انھوں نے اذان دی، پھر آپؐ نے ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی، [illegible] عصر کی بھی دو ہی رکعت پڑھی، یہ جمعہ کا روز تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنی سواری پر تشریف لے گئے، اور موقف[1] پر آئے، یہاں آکر آپ اپنے اونٹ پر بیٹھ گئے، اور غروب آفتاب تک دعاء و مناجات، اور مالک الملک کے حضور تضرع و ابتہال اور اپنی عاجزی و بے چارگی کے اظہار میں مشغول رہے، دعا میں اپنا دست مبارک سینہ تک اٹھاتے تھے، جیسا کہ کوئی سائل اور مسکین نان شبینہ کا سوال کر رہا ہو، دعا یہ تھی:-

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ وَتَرٰى	اے اللہ تو میری سنتا ہے، اور میری جگہ کو
مَكَانِيْ وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ	دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو

---

[1] وقوف کی جگہ جہاں آپؐ نے دیر تک دعا فرمائی تھی، وہ جگہ اب بھی عرفات میں معروف و متعین ہے۔

لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنْ أَمْرِيْ،
أَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ
الْمُسْتَجِيْرُ، وَالْوَجِلُ الْمُشْفِقُ،
الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذُنُوْبِيْ، أَسْأَلُكَ
مَسْأَلَةَ الْمِسْكِيْنِ، وَأَبْتَهِلُ إِلَيْكَ
إِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ، وَأَدْعُوْكَ
دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ، مَنْ خَضَعَتْ
لَكَ رَقَبَتُهٗ، وَفَاضَتْ لَكَ عَيْنَاهُ،
وَذَلَّ جِسْمُهٗ، وَرَغِمَ أَنْفُهٗ لَكَ،
اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ رَبِّ
شَقِيًّا، وَكُنْ بِيْ رَءُوْفًا رَّحِيْمًا،
يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ۔

جانتا ہے تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں
رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں
فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں،
ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا
ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے
سوال کرتا ہوں، جیسے بے کس سوال کرتے ہیں،
تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار،
ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے طلب کرتا
ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہو،
اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن
تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے آنسو بہہ
رہے ہوں، اور تن بدن سے وہ تیرے آگے
فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے
رگڑ رہا ہو، اے رب تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے
میں ناکام نہ رکھ، اور میرے حق میں بڑا مہربان
اور رحم کرنے والا ہو جا، اے سب مانگے جانے
والوں سے بہتر اور سب دینے والوں سے اچھے۔

اسی موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًاط (سورۂ مائدہ۔۳)

تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین انتخاب کر چکا۔

جب آفتاب غروب ہو گیا تو آپؐ عرفہ سے روانہ ہو گئے، اور اُسامہؓ بن زید کو اپنے پیچھے بٹھایا، آپ سکینت و وقار کے ساتھ آگے چلے، اونٹنی کی مہار آپؐ نے اس طرح سمیٹ لی تھی کہ قریب تھا کہ اس کا سر آپؐ کے کجاوہ سے لگ جائے، آپ کہتے جاتے تھے کہ لوگو! سکون و اطمینان کے ساتھ چلو، راستہ بھر آپؐ تلبیہ کرتے جاتے، اور جب تک مزدلفہ نہ پہونچ گئے، یہ سلسلہ جاری رہا، وہاں پہونچتے ہی آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم فرمایا، اذان دی گئی، آپ کھڑے ہو گئے، اور اونٹوں کو بٹھانے اور سامان اتارنے سے پہلے مغرب کی نماز ادا فرمائی، جب لوگوں نے سامان اتار لیا، تو آپؐ نے عشاء کی نماز بھی ادا فرمائی، پھر آپ آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے، اور فجر تک سوئے۔

نماز فجر اول وقت ادا فرمائی، پھر سواری پر بیٹھے اور مشعر الحرام آئے اور قبلہ رو ہو کر دعاء و تضرع، تکبیر و تہلیل اور ذکر میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ خوب روشنی پھیل گئی، یہ طلوع آفتاب سے پہلے کی بات ہے، پھر آپ مزدلفہ سے روانہ ہوئے، فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سواری پر آپؐ کے پیچھے تھے، آپؐ برابر تلبیہ میں مشغول رہے، آپؐ نے ابن عباسؓ کو حکم دیا کہ رمی جمار کے لئے سات کنکریاں چن لیں، جب آپؐ وادی محسّر کے وسط میں پہونچے تو آپؐ نے اونٹنی کو تیز کر دیا اور بہت عجلت فرمائی، اس لئے کہ یہی وہ جگہ ہے، جہاں اصحاب فیل پر عذاب نازل ہوا تھا، یہاں تک کہ منیٰ پہونچے اور وہاں سے جمرۃ العقبہ تشریف لائے اور سواری پر طلوع آفتاب کے بعد رمی کی اور تلبیہ موقوف کیا۔

پھر منیٰ واپسی ہوئی، یہاں پہونچ کر آپؐ نے ایک بلیغ خطبہ دیا جس میں آپؐ نے

یوم النحر کی حرمت سے آگاہ کیا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس دن کی جو فضیلت ہے اس کو بیان کیا، دوسرے تمام شہروں پر مکہ کی فضیلت و برتری کا ذکر کیا اور جو کتاب اللہ کی روشنی میں ان کی قیادت کرے، اس کی اطاعت و فرماں برداری ان پر واجب قرار دی، پھر آپؐ نے حاضرین سے کہا کہ وہ اپنے مناسک و اعمال حج آپؐ سے معلوم کرلیں، آپؐ نے لوگوں کو یہ بھی تلقین فرمائی کہ دیکھو میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارتے رہو.... آپؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ یہ سب باتیں دوسروں تک پہونچا دی جائیں، اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

اُعبدُ وا ربکم، وصَلّوا خمسکم،	اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی
وصوموا شھرکم و اطیعوا ذا امرکم	نماز پڑھو، ایک مہینہ (رمضان) کا روزہ
تدخلوا جنّۃ ربکم۔	رکھو، اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو،
	اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔

اس وقت آپؐ نے لوگوں کے سامنے وداعیہ کلمات بھی کہے، اور اسی وجہ سے اس حج کا نام "حجۃ الوداع" پڑا۔

پھر منیٰ میں "منحر" تشریف لے گئے، اور ترسٹھ۶۳ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے، جتنے اونٹ آپؐ نے ذبح کئے، وہی تعداد عمر شریف کے سنین کی تھی، اتنی تعداد کے بعد آپؐ نے توقف کیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ سوؐ میں جتنے باقی ہیں، وہ پورے کریں، غرض آپؐ نے جب قربانی مکمل کرلی، تو آپؐ نے حجّام کو طلب فرمایا اور حلق کروایا، اور اپنے موئے مبارک قریب کے لوگوں میں تقسیم فرمادیئے، پھر سواری پر مکّہ روانہ ہوئے، طواف افاضہ کیا جس کو طواف زیارت بھی کہتے ہیں، پھر بئر زمزم کے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پانی نوش فرمایا،

پھر اسی روز منیٰ واپسی ہوئی، اور شب وہیں گذاری، دوسرے دن آپؐ زوال آفتاب کا انتظار کرتے رہے، جب زوال کا وقت ہو گیا تو آپؐ اپنی سواری سے اتر کر رمی جمار کے لئے تشریف لے گئے، جمرۂ اولیٰ سے آغاز فرمایا، اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ کے قریب جا کر رمی کی، منیٰ میں آپؐ نے دو خطبے دیئے، ایک قربانی کے دن جس کا ذکر ابھی اوپر گذرا، دوسرا قربانی کے دوسرے روز۔

یہاں آپؐ نے توقف فرمایا، اور ایام تشریق کے تینوں دن کی رمی مکمل کی، پھر مکہ کی طرف توجہ کی اور سحر کے وقت طواف وداع کیا، اور لوگوں کو تیاری کا حکم فرمایا، اور مدینہ کی طرف عناں کش ہوئے[1]۔

جب آپ غدیر خم پہونچے[2] تو آپؐ نے ایک خطبہ دیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان فرمائی، اس موقعہ پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ:-

مَن کُنتُ مولاہ فعلیٌّ مولاہ اللّٰھمّ	جس کو میں محبوب ہوں علی بھی اس کو
والِ مَن والاہ وعادِ مَن عاداہ[3]	محبوب ہونا چاہئے، اے اللہ جو علی سے

---

[1] یہ حصہ "زاد المعاد" سے اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے، ج ۱ ص ۱۸۰-۲۴۹، ان مباحث کو چھوڑ دیا گیا ہے، جن میں مصنف نے زیادہ توسع اور تفصیل سے کام لیا ہے، اسی طرح فقہاء و محدثین کے اختلافات بھی حذف کر دیئے گئے ہیں۔ [2] غدیر خم مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، جحفہ اور اس میں دو میل کا فاصلہ ہے۔

[3] بروایت امام احمد اور نسائی، اس خطبہ کے ارشاد فرمانے کا ایک خاص سبب یہ تھا کہ کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کی آپؐ سے (بے جا) شکایت کی تھی اور ان کو آپؐ سے کبیدگی ہو گئی تھی، بعض ایسے لوگوں نے ان پر اعتراضات کئے تھے، جو یمن میں ان کے ساتھ تھے، اور حضرت علیؓ کے اس رویہ سے جو انصاف پر مبنی تھا، ان کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ اس میں جانبداری سے کام لیا گیا ہے (ابن کثیر ج ۴ ص ۲۱۵-۲۱۶)

محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو
ان سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ۔

جب آپؐ ذوالحلیفہ آئے تو رات یہیں بسر کی، سواد مدینہ پر آپؐ کی نظر پڑی تو آپؐ نے تین بار تکبیر کہی اور ارشاد فرمایا:۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ، وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔[1]	خدا بزرگ و برتر ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، بس اسی کی سلطنت ہے، اسی کے لئے مدح و ستائش ہے، وہ ہر بات پر قادر ہے، لوٹتے آرہے ہیں توبہ کرتے ہوئے، فرماں بردارانہ زمین پر پیشانی رکھ کر اپنے پروردگار کی مدح و ستائش میں مشغول ہو کر، خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی نصرت کی اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی۔

آپؐ مدینہ طیبہ میں دن کے وقت داخل ہوئے۔

---

[1] "زاد المعاد" ج ۱ ص ۲۴۹

خاص موقعوں اور خاص وقتوں کے اذکار اور مسنون دعائیں

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عبودیت، توجہ الی اللہ اور ذکر الٰہی کا کامل ترین اور افضل ترین نمونہ تھے، آپؐ کی زبان و دل ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول و مصروف رہتے، اور ہر حال میں آپ کو خدا کی یاد رہتی، آپؐ صحابہ کرام کو تعلیم دیتے تھے کہ جب سونے کا ارادہ کریں تو یہ دعا کر لیا کریں:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَسْلَمْتُ وَجْهِیْ إِلَیْكَ	اے اللہ میں نے اپنا رخ تیری طرف کر دیا،
وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ، وَاَلْجَأْتُ	اور اپنا معاملہ تجھے سپرد کر دیا، اور اپنی
ظَهْرِیْ إِلَیْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً إِلَیْكَ	پیٹھ تیری طرف رکھدی تیری رغبت و خوف سے
لَامَلْجَأَ وَلَامَنْجَا مِنْكَ اِلَّا إِلَیْكَ	سوا تیرے کوئی ٹھکانا اور پناہ نہیں ہے تیری
اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ	اس کتاب پر ایمان لایا جو تونے اتاری اور
وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ أَرْسَلْتَ۔	اس نبیؐ پر جس کو تونے بھیجا۔

اور یہ فرماتے کہ (سونے سے پہلے) یہ تمہارے آخری کلمات ہوں، اگر تم اس رات میں مر گئے، تو فطرت پر تمہاری موت ہوگی۔[1]

---

[1] مسلم شریف۔ باب ما یقول عند النوم وعند أخذ المضجع۔

اور جب سو کر اٹھتے تو فرماتے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔	اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد جلایا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے

رات میں جب بیدار ہوتے تو فرماتے :۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ، اَللّٰهُمَّ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِیْ وَاَسْئَلُكَ رَحْمَتَكَ، اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔	تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، اے اللہ میں تجھ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہتا ہوں، اور تجھ سے تیری رحمت کا طلب گار ہوں، اے میرے پروردگار مجھے علم میں ترقی دے، اور میرے دل کو کج نہ کر اس کے بعد کہ تو نے مجھے ہدایت دی، اور اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تو بہت دینے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ جس رات وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر پر سوئے تھے، انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بیدار ہوئے تو سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ سے اخیر تک پڑھیں، اور وتر سے فراغت کے بعد تین مرتبہ کہا کرتے تھے، "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ" اور تیسری مرتبہ کھینچ کر پڑھتے تھے، جب گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو پڑھتے :۔

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ	اللہ کے نام (چلتا ہوں) اللہ پر توکل کرتا ہوں

إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ، أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ۔

اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں گمراہ ہوں یا گمراہ کیا جاؤں یا پھسل جاؤں، یا پھسلایا جاؤں، یا ظلم کروں یا مظلوم بنوں، یا جہالت کا کام کروں یا میرے ساتھ جہالت و نادانی کا معاملہ کیا جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنے گھر سے نماز کے لئے نکلے اور یہ دعا کرے:۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَمْشَايَ هٰذَا إِلَيْكَ فَإِنِّي لَمْ أَخْرُجْ بَطَرًا وَلَا أَشَرًا وَلَا رِيَاءً وَلَا سُمْعَةً، وَإِنَّمَا خَرَجْتُ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَ أَسْأَلُكَ أَنْ تُنْقِذَنِي مِنَ النَّارِ وَأَنْ تَغْفِرَ لِي ذُنُوبِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ۔

اے اللہ آپ کے در کے بھکاریوں کے طفیل اور آپ کی طرف اس چلنے کے طفیل میں آپ سے سوال کرتا ہوں، نہ میں اتراتا اور اکڑتا نکلتا ہوں نہ ریاکاری اور شہرت کے لئے، بلکہ آپ کے غضب و ناراضگی کے خوف اور آپ کی رضا و خوشنودی کی طلب میں نکلا ہوں، میرا سوال ہے کہ آپ مجھے آگ سے نجات دے دیجئے اور میرے گناہ معاف فرما دیجئے آپ کے ماسوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں۔

تو اللہ تعالےٰ ستر ہزار فرشتوں کو لگا دیتے ہیں، جو اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں،

اور خدا تعالٰی بذات خود اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو جائے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو نبیؐ پر درود و سلام بھیجے اور پھر کہے:۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ — اے اللہ میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب مسجد سے نکلے تو کہے:۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔ — اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل چاہتا ہوں۔

جب صبح ہوتی تو آپؐ فرماتے:۔

اَللّٰهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيَا وَبِكَ نَمُوتُ وَإِلَيْكَ النُّشُورُ۔[1] — اے اللہ آپ ہی سے ہماری صبح ہوئی، اور آپ ہی سے ہماری شام ہے آپ ہی سے ہماری زندگی ہے، اور آپ ہی سے ہماری موت، اور آپ ہی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

اور یہ بھی فرماتے:۔

أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، رَبِّ أَسْأَلُكَ — ہم نے اور (خدا کی اس) کائنات نے خدا کے لئے صبح کی، اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی حکومت ہے اسی کی

---

[1] حدیث صحیح۔

خَيْرَ مَا فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهُ،
وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْيَوْمِ
وَشَرِّ مَا بَعْدَهُ، رَبِّ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ
الْكَسَلِ، وَسُوْءِ الْكِبَرِ، رَبِّ أَعُوْذُ بِكَ
مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ، وَعَذَابٍ
فِي الْقَبْرِ۔

تعریفیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے،
اے اللہ ہم آپ سے اس دن کی بھلائی
اور اس دن کے بعد کی بھلائی کے طالب
ہیں، اور اس دن کے شر اور اس کے بعد کے
شر سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں، اے
پروردگار ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں،
کاہلی سے اور بُرے بڑھاپے سے اور
آپ کی پناہ چاہتے ہیں، دوزخ کے عذاب
اور قبر کے عذاب سے۔

اور جب شام ہوتی تو فرماتے :۔

أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ[1] (آخر تک)

ہم نے اور ساری کائنات نے خدا کے
لئے شام کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ مجھے ایسے کلمات تلقین فرما دیجئے جنھیں میں صبح و شام کہا کروں، آپ نے فرمایا، یہ کہا کرو:۔

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ
كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهُ وَمَالِكَهُ، أَشْهَدُ
أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوْذُ بِكَ

اے اللہ، اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے،
غیب و حضور کا علم رکھنے والے، ہر چیز کے
پروردگار، آقا و مالک، میں گواہی دیتا
ہوں کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں،

---

[1] مسلم شریف۔

مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ، وَشَرِّ الشَّیْطَانِ وَشِرْکِہٖ وَاَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰی نَفْسِیْ سُوْٓءًا اَوْ اَجُرَّہٗ اِلٰی مُسْلِمٍ۔

میں اپنے نفس کے شر اور شیطان کے شر اور اس کے شرک اور اس سے کہ میں اپنے خلاف کسی برائی کا ارتکاب کروں، یا کسی مسلمان کے ساتھ برائی کروں آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

اور فرمایا کہ جب صبح ہو تو کہا کرو:۔

اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْکُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الْیَوْمِ، فَتْحَہٗ وَنَصْرَہٗ وَنُوْرَہٗ وَبَرَکَتَہٗ، وَھِدَایَتَہٗ، وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا فِیْہِ وَشَرِّ مَا بَعْدَہٗ۔

ہم نے اور ساری کائنات نے اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا رب ہے صبح کی، اے اللہ میں آپ سے اس دن کی خیر وفتح ونصرت، نور وبرکت اور ہدایت مانگتا ہوں، اور اس دن کے شر اور اس کے بعد کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

اور جب شام ہو تو اسی طرح (اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ کے بجائے اَمْسَیْنَا وَاَمْسٰی کہہ کر) کہا کرو۔
اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، تمہیں اس میں کیا رکاوٹ ہے کہ تم صبح وشام یوں کہہ لیا کرو:۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِکَ اَسْتَغِیْثُ، فَاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ۔

اے زندہ اور سنبھالنے والے! تیری رحمت سے فریاد کرتا ہوں، میری ساری حالت درست کردے، اور مجھے ایک لمحہ کے لئے میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔

اور فرمایا کہ سید الاستغفار (استغفار کی دعاؤں میں سب سے اعلیٰ دعا) یہ ہے کہ بندہ یوں کہے :-

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ، وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ، فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

اے اللہ آپ ہی میرے رب ہیں آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں آپ نے مجھ کو پیدا کیا، اور میں آپ کا بندہ ہوں اور آپ کے عہد و پیمان اور وعدہ پر حسب قدرت جما ہوا ہوں اپنے کرتوتوں کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، آپ کے اپنے اوپر احسانات کا معترف ہوں، اور اپنے گناہوں کا اقراری ہوں آپ ہی صرف مغفرت فرمانے والے ہیں۔

جب کبھی نیا لباس زیب تن فرماتے تو کہتے :-

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ اَسْئَلُکَ خَیْرَہٗ وَخَیْرَ مَا صُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ۔

اے اللہ آپ نے مجھے یہ (یہاں اس ملبوس کا نام بھی لیتے) پہنایا میں آپ سے اس کی بھلائی اور جس مقصد سے بنایا گیا ہے اس کی بھلائی کا طالب ہوں اور اس کے شر اور جس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے اس کے شر سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص لباس پہنتے ہوئے یہ کہے اللہ تعالےٰ اس کے گذشتہ گناہ معاف فرما دیتا ہے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ۔	اس اللہ کی تمام تعریفیں ہیں جس نے مجھے یہ پہنایا اور بغیر میری کسی طاقت وقوت کے مجھے عنایت فرمایا۔

آپ نے ام خالد کو جب نیا ملبوس عطا فرمایا تو فرمایا :۔

اَبْلِیْ وَاَخْلِقِیْ، ثُمَّ اَبْلِیْ وَاَخْلِقِیْ۔	بوسیدہ کرو، پرانا کرو، بوسیدہ کرو، پرانا کرو۔

روایات میں آپؐ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب آدمی اپنے گھر کے اندر داخل ہو تو کہے :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلِجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَی اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَکَّلْنَا۔	اے اللہ میں آپ سے (گھر میں) داخل اور خارج ہونے کی بہتری مانگتا ہوں ہم اللہ کے نام پر داخل ہوئے اور ہم نے اللہ پر جو ہمارا رب ہے توکل کیا۔

بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پڑھنے :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔	اے اللہ میں گندگی اور گندی چیزوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔

بعض حدیثوں میں ہے :۔

اَلرِّجْسِ النَّجِسِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔	گندے ناپاک مردود شیطان (سے پناہ مانگتا ہوں)

اور جب بیت الخلاء سے نکلتے تو کہتے:۔

غُفْرَانَكَ۔ تیری مغفرت چاہتا ہوں۔

اور یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ کہتے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔[1] اس خدا کی تمام تعریفیں ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دہ چیز دور کی اور عافیت بخشی۔

آپ نے فرمایا کہ جو شخص اچھی طرح وضو کرے پھر کہے:۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں۔

اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازہ سے چاہے داخل ہو، یہ مسلم شریف کی روایت ہے، اور امام ترمذی نے کلمۂ شہادت کے بعد یہ اضافہ کیا ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ۔ اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں اور پاکی حاصل کرنے والوں میں بنا۔

آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے بھی سنا گیا ہے:۔

---

[1] ابن ماجہ۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ۔	اے اللہ میرے گناہ معاف فرما میرے گھر میں میرے لئے وسعت فرما، اور میرے رزق میں برکت عطا فرما۔

آپؐ نے اذان کے وقت سننے والے کے لئے اذان ہی کے الفاظ دہرانے کا حکم فرمایا ہے، سوائے "حیّ علی الصلاۃ" اور "حیّ علی الفلاح" کے کہ اس کا جواب "لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ" ہے، اور اذان سے فراغت کے بعد یہ کہا جائے:۔

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا، وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا، وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا۔	میں نے اللہ کو رب مانا، اسلام کو اپنا دین مانا، اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول مانا۔

اور پھر درود شریف پڑھے، اور درود شریف کے بعد یہ دعا کرے:۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلَاۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَا اِلْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ، وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔	اے اللہ جو اس مکمل پکار اور قائم ہونے والی نماز کا رب ہے، محمد۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما، اور آپ کو مقام محمود میں پہونچا جس کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے، بے شک آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

جب کھانا شروع فرماتے تو کہتے "بسم اللہ" کھانے سے فراغت پر کہتے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔	اس اللہ کی تمام تعریفیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا، اور اپنا فرمانبردار بنایا۔

بعض حدیثوں میں "وکفانا وآوانا" کا اضافہ بھی ہے (ہماری ضرورتیں پوری کیں اور ہمکو ٹھکانا دیا) جب دستر خوان سامنے سے اٹھالیا جاتا، تو کہتے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ غَیْرَ مَکْفِیٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا عَزَّ وَجَلَّ۔

اللہ کی بے شمار اور اچھی تعریفیں ہیں، جس سے کسی وقت بے نیازی نہیں، نہ اس کو خیر باد کیا جاسکتا ہے، نہ اس سے استغنا برتا جاسکتا ہے، ہمارا پروردگار عزوجل۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاں کھانا تناول فرمانے کے بعد یہ دعا فرمائی:

اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ، وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔

روزہ دار آپ کے یہاں روزہ کھولیں اور نیک لوگ آپ کے یہاں کھانا کھائیں اور فرشتے آپ کے لئے رحمت کی دعا کریں!

جب نیا چاند (ہلال) دیکھتے تو فرماتے :۔

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ، رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ۔

اے اللہ یہ چاند ہم پر امن و ایمان، اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ نکال، (اے چاند) میرا تیرا پروردگار اللہ ہے۔

بعض حدیثوں میں یہ اضافہ ہے :۔

وَالتَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبُّنَا وَرَبُّکَ اللّٰہُ۔

اور اس کی توفیق کے ساتھ جس کو تو پسند کرتا ہے، اور جس سے تو راضی ہے، ہمارا اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔

بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔

هِلَالُ رُشْدٍ وَخَيْرٍ، هِلَالُ رُشْدٍ وَخَيْرٍ	نیکی اور بھلائی کا چاند! نیکی اور بھلائی کا چاند!

جب سفر کے لئے کھڑے ہوتے تو فرماتے:۔

اَللّٰهُمَّ بِكَ انْتَشَرْتُ وَاِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ، وَبِكَ اعْتَصَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ ثِقَتِي، وَاَنْتَ رَجَائِي، اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي مَا اَهَمَّنِي وَمَا لَا اَهْتَمُّ لَهٗ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّي عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ، وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ اَللّٰهُمَّ زَوِّدْنِي التَّقْوٰى وَاغْفِرْ لِي ذَنْبِي وَوَجِّهْنِي لِلْخَيْرِ اَيْنَمَا تَوَجَّهْتُ۔	اے اللہ میں تیرے نام پر چلا، اور تیری طرف رخ کیا، اور تیرا سہارا لیا اور تجھ پر بھروسہ کیا، تو ہمارا بھروسہ اور ہماری امید ہے، میری طرف سے وہ کام کردے جس کی مجھے فکر ہے، اور جس کی فکر نہیں، اور جس کو تو ہی زیادہ جانتا ہے، تیرا ہمسایہ عزت سے ہے، اور تیری تعریف بہت ہے، اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں اے اللہ مجھے تقویٰ کا زادِ راہ عنایت فرما، میرے گناہ معاف فرما، اور میں جدھر کا رخ کروں تو مجھے بھلائی کی طرف لے جا۔

اور جب سواری پر سوار ہو جاتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے، پھر پڑھتے:۔

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى	پاک ہے وہ ذات جس نے (اس سواری کو) ہمارے قابو میں دیا اور وہ (اگر اس کی

رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

قدرت نہ ہوتی) ہمارے بس کی نہ تھی' اور ہم سب اپنے پروردگار کی طرف ہی پلٹ کر جانے والے ہیں۔

پھر کہتے:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِیْ ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَھْلِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، ھَوِّنْ عَلَیْنَا السَّفَرَ وَاطْوِلَنَا الْبُعْدَ۔

اے اللہ ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکوکاری' اور پرہیزگاری کی' اور ان اعمال کی جو تیری رضا کا باعث ہوں' اے اللہ بس تو ہی ہمارا رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں اور ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا ہے' اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور زحمت سے اور اس سے کہ سفر سے لوٹ کر کوئی بری بات پاؤں' اس سفر کو ہم پر آسان کر دے' اور اس کی طوالت کو اپنی قدرت و رحمت سے مختصر کر دے۔

اور جب واپس ہوتے تو فرماتے:۔

آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ، لِرَبِّنَا
حَامِدُوْنَ۔

ہم واپس لوٹنے والے ہیں، توبہ
کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے
ہیں، اپنے پروردگار کی حمد وستائش
کرنے والے ہیں۔

وہ عام اذکار و اوراد جن کی ترغیب و فضیلت آئی ہے

اور

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند جامع دعائیں

عام اذکار و اوراد

یہاں وہ عام اذکار و اوراد ذکر کئے جاتے ہیں جن کی بکثرت صحیح احادیث میں ترغیب اور فضیلت وارد ہوئی ہے اس سلسلہ میں امام ابوزکریا محی الدین بن یحییٰ معروف بہ امام نووی کی "کتاب الاذکار" اور والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کی "تلخیص الاخبار"[1] سے استفادہ و اختصار کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔

کلمتان خفیفتان علی اللسان،	دو کلمے ہیں، زبان پر ہلکے پھلکے، اور
ثقیلتان فی المیزان، حبیبتان	میزان الٰہی میں بھاری بھرکم، اور
إلی الرحمٰن، سُبحانَ اللہِ وَبِحمدِہٖ	خدائے رحیم کو بہت پسند (ایک)

[1] یہ کتاب "تہذیب الاخلاق" کے نام سے چھپی ہے، اور اس کے کئی ایڈیشن، حکومت قطر، المکتب الاسلامی بیروت، اور دار الاعتصام قاہرہ سے نکل چکے ہیں، کتاب دار العلوم ندوۃ العلماء کے نصاب میں بھی داخل ہے۔

سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِیْم۔

"سبحان اللہ وبحمدہٖ" اور (دوسرا) "سبحان اللہ العظیم"۔

حضرت سمرہ بن جُندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

أحبُّ الكلام إلى الله تعالى أربع: "سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، لا يضرك بأيّهن بدأت۔

اللہ تعالےٰ کو چار کلمے بہت پسند ہیں سبحان اللہ، اور الحمد للہ، اور لا الٰہ الا اللہ، اور اللہ اکبر، ان میں سے کسی سے بھی شروع کرو، حرج نہیں۔

اور آپؐ نے فرمایا:۔

الطهور شطر الإيمان، والحمد لله تملأ الميزان وسبحان الله والحمد لله تملآن، أو تملأ ما بين السموٰت والأرض۔

پاکی نصف ایمان ہے، اور الحمد للہ ترازو کو بھر دیتا ہے، اور سبحان اللہ والحمد للہ آسمانوں اور زمین کو بھر دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

لأن أقول: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله، والله أكبر، أحبّ إليّ ممّا طلعت عليه الشمس۔

میں "سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر" کہوں یہ مجھے اس سب سے زیادہ عزیز ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے (یعنی پوری دنیا سے زیادہ عزیز ہے)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جو شخص دسؔ مرتبہ یہ کہے :-

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔	اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی حکومت ہے، اور اسی کی سب تعریفیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

گویا اس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چارؔ غلام آزاد کئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو دن بھر میں سوؔ مرتبہ یہ کہے :-

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔	اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی حکومت ہے، اور اسی کی سب تعریفیں، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تو یہ دسؔ غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہوگا، اور اس کی سوؔ نیکیاں لکھی جائیں گی سوؔ خطائیں معاف کی جائیں گی، اور اس دن کی صبح سے شام تک شیطان سے اس کی حفاظت ہوگی، اور کسی شخص کا عمل اس کے برابر نہ ہوگا، ہاں جو اس سے زیادہ عمل کرے۔

اور آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص دن بھر میں سوؔ مرتبہ "سبحان اللہ وبحمدہٖ" پڑھے،

اس کی خطائیں چاہے سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، سب جھڑ جاتی ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے افضل ذکر "لا الہ الا اللہ" ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سے ہر شخص پر جسم کے ہر جوڑ کے بدلے صبح ایک صدقہ واجب ہوتا ہے، پس ہر "سبحان اللہ" ایک صدقہ ہے، ہر "الحمد اللہ" ایک صدقہ ہے، ہر "لا الہ الا اللہ" ایک صدقہ ہے، اور ہر "اللہ اکبر" ایک صدقہ ہے، اور "امر بالمعروف ونہی عن المنکر" صدقہ ہے، اور ان سب کی طرف سے کفایت کرنے والی چاشت کی دو رکعتیں ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو جنت کے ایک خزانہ کا پتہ نہ دوں، میں نے کہا، کیوں نہیں حضورؐ، فرمایا، کہو "لاحول ولا قوۃ الا باللہ"۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو یہ کہے:۔

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا	میں نے اللہ کو رب مانا، اسلام کو
وَّبِمُحَمَّدٍ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ وسلم	دین مانا، اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ
رَسُوْلًا۔	وسلم کو رسول مانا۔

اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسراء کی رات میں میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام

سے ہوئی، تو انھوں نے کہا کہ اے محمدؐ اپنی امت کو سلام کہنا اور یہ بتا دینا کہ جنت کی مٹی بڑی اچھی، اور پانی بڑا شیریں ہے، اور وہ خالی ہے، اس کے پودے "سبحان اللہ" اور "الحمد للہ" اور "لا الٰہ الا اللہ" اور "اللہ اکبر" ہیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا:۔

مَن صلّی علیّ صلاۃً واحدۃً صلی اللہ علَیہ بِھَا عشراً۔[1]

جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا ہے، اللہ تعالےٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنّ أولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علیّ صلاۃً۔[2]

قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا، جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

رَغِمَ اَنفُ رَجُلٍ ذُکِرتُ عِندَہٗ فَلَم یُصَلِّ عَلَیَّ

اس شخص کی ناک مٹی میں مل جائے (ذلیل وخوار ہو) جس کے پاس میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

---

[1] مسلم شریف [2] ترمذی شریف۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ	میری قبر کو جشن گاہ نہ بنانا، ہاں مجھ پر
فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ	درود پڑھو، تمہارا درود خواہ تم کہیں
كُنْتُمْ[1]	بھی ہو مجھ تک پہونچتا ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے، تو ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول آپ پر سلام کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو چکا، یہ بتائیں کہ آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یوں کہو:۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ	اے اللہ رحمت نازل فرما محمدؐ پر اور آل محمدؐ
كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ	پر جیسے رحمت نازل فرمائی ابراہیمؑ اور
إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ، اَللّٰهُمَّ	آل ابراہیمؑ پر بیشک تو تعریف والا اور
بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ	بزرگی والا ہے، اے اللہ برکت نازل فرما
كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى	محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر جیسے تو نے برکت نازل
اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔[2]	فرمائی ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر بیشک
	تو تعریف والا، اور بزرگی والا ہے۔

---

[1] ابوداؤد شریف، [2] متفق علیہ، اس سلسلہ کی احادیث و روایات، درود کی حقیقت، اس کے خصائص اور فوائد و نکات کے لئے علامہ ابن قیم کی "جلاء الافہام فی الصلاۃ والسلام علی خیر الانام" اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی "فضائل درود شریف" ملاحظہ فرمائیے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند جامع دعائیں

ذیل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چند جامع دعائیں، علامہ ابن قیمؒ کی "الوابل الصیّب" سے نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع دعائیں پسند فرماتے تھے، اور طویل دعاؤں سے گریز فرماتے تھے۔

آپؐ فرماتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَیْرِ كُلِّهٖ	اے اللہ میں آپ سے ہر خیر کا سائل ہوں،
مَاعَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ، وَاَعُوْذُبِكَ	جسے میں جانتا ہوں، اور جسے نہیں جانتا
مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ مَاعَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ	اور آپ کی پناہ مانگتا ہوں ہر شر سے
اَعْلَمْ۔[1]	جسے میں جانتا ہوں، اور جسے میں نہیں جانتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لگا رہتا تھا، اور بکثرت آپؐ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنتا تھا:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ	اے میرے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں،
وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ،	فکر سے اور غم سے اور کم ہمتی اور کاہلی و بزدلی
وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ۔[2]	سے اور بخیلی و کنجوسی اور قرضہ کے بار سے اور لوگوں کے دباؤ سے۔

---

[1] مسند احمد، اور نسائی شریف۔ [2] متفق علیہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہ دعا کرتے تھے :۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ عَذَابِ	اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں،
الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ	عذاب قبر سے اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں
الدَّجَّالِ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ	دجال کے فتنے سے، اور آپ کی پناہ چاہتا
الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ	ہوں، موت و زندگی کے فتنے سے، اور
مِنَ الْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ۔	آپ کی پناہ چاہتا ہوں گناہ سے، اور
	قرض کے بوجھ سے۔

کسی کہنے والے نے کہا کہ آپ مغرم (قرض کے بوجھ) سے بہت پناہ مانگتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ :۔

اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ	آدمی جب قرض کے بوجھ سے لد جاتا
وَوَعَدَ فَاَخْلَفَ۔[1]	ہے تو بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے،
	وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی :۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ زَوَالِ	اے اللہ میں آپ کی نعمت کے ختم ہوجانے
نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَمِنْ	آپ کی عافیت کے چھن جانے آپ کے
فُجَاْءَةِ نِقْمَتِكَ، وَمِنْ جَمِيْعِ	اچانک غضب سے، اور آپ کی تمام

---

[1] متفق علیہ۔

سَخَطِكَ۔[1] ناراضیوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اگر مجھے لیلۃ القدر نصیب ہو جائے، تو میں کیا دعا کروں، آپؐ نے فرمایا، یہ کہو:۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي۔[2] اے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے، معاف کرنے کو پسند کرتا ہے تو مجھے معاف کر۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالے کو سب سے زیادہ جس چیز کا مانگنا پسند ہے وہ "عافیت" ہے"۔[3]

ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان ہونے والے کو یہ تلقین فرماتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي وَارْحَمْنِي۔[4] اے اللہ مجھے ہدایت اور رزق دے، اور عافیت نصیب فرما، اور مجھ پر رحم فرما۔

بُسر بن ارطاۃ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے:۔

---

[1] مسلم شریف [2] ترمذی شریف [3] مستدرک حاکم [4] مسلم شریف۔

اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْاُمُوْرِ	اے اللہ تمام کاموں میں ہمارا انجام بخیر
كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا	فرما، اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے
وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ۔ [1]	عذاب سے پناہ نصیب فرما۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ بھرپور دعا کرو؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپؐ نے فرمایا کہ کہو:۔

اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ	اے اللہ اپنی یاد، اپنے شکر، اور اپنی اچھی
وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔ [2]	عبادت کی ہمیں طاقت وقوت عطا فرما۔

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی کہ ہر نماز کے بعد یہ کلمات کہہ لیا کریں۔[3] آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو یہ دعا بھی تعلیم فرمائی:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الطَّيِّبَاتِ وَفِعْلَ	اے اللہ ہم آپ سے اچھی چیزوں، اور
الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ، وَحُبَّ	نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے چھوڑنے
الْمَسَاكِيْنِ، وَاَنْ تَتُوْبَ عَلَيَّ وَتَغْفِرَ لِيْ	اور مسکینوں سے محبت کرنے کا سوال
وَتَرْحَمَنِيْ، وَاِذَا اَرَدْتَ فِيْ خَلْقِكَ	کرتے ہیں، اور اس کا کہ آپ میری توبہ
فِتْنَةً فَنَجِّنِيْ اِلَيْكَ مِنْهَا غَيْرَ مَفْتُوْنٍ	قبول فرمائیے اور میرے ساتھ مغفرت اور رحم کا
اَللّٰهُمَّ وَاَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ	معاملہ کیجئے، اور جب آپ اپنی مخلوق کے بارے
يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّبَلِّغُنِيْ اِلٰى	میں کسی فتنہ کا ارادہ فرمائیں تو اس سے اپنی طرف
حُبِّكَ۔ [4]	ہمیں اس طرح نکال لیجئے کہ ہم فتنہ میں مبتلا

---

[1] مسند احمد [2] مستدرک حاکم [3] ترمذی شریف [4] مستدرک حاکم۔

سے ہوں، اور اے اللہ ہم آپ کی محبت آپ سے
محبت کرنے والے کی محبت، اور اس عمل کی
محبت مانگتے ہیں جو آپ کی محبت تک لے جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ دعا کرنے کا حکم دیا تھا:-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ
عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ مَا عَلِمْتُ مِنْهُ
وَمَا لَمْ اَعْلَمْ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ
الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ
مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ، وَاَسْئَلُكَ
الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ
اَوْ عَمَلٍ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا
قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ
وَاَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَكَ عَبْدُكَ
وَرَسُوْلُكَ مُحَمَّدٌ، وَاَسْئَلُكَ مَا
قَضَيْتَ لِيْ مِنْ اَمْرٍ اَنْ تَجْعَلَ
عَاقِبَتَهٗ رُشْدًا۔[1]

اے اللہ ہم آپ سے تمام کے تمام خیر کے
طالب ہیں، جو جلدی ملے اور جو دیر سے ملے،
جو ہم جانتے ہیں، اور جو نہیں جانتے، اور
آپ کی پناہ چاہتے ہیں ہر شر سے، جلدی
آنے والے اور دیر سے آنے والے، اور جو ہم
جانتے ہیں، اور جو نہیں جانتے، اور آپ
سے جنت کے طالب ہیں اور اس قول
و عمل کے جو جنت سے قریب کرے، اور
آپ کی پناہ چاہتے ہیں آگ سے اور
اس قول و عمل سے جو اس کے قریب
لے جائے، اور آپ سے اسی خیر میں سے
ہم (بھی) مانگتے ہیں، جس کو آپ کے
بندہ اور رسول محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم)

---

[1] مستدرک حاکم۔

مانگتے ہیں، اور آپ سے یہ درخواست

کرتے ہیں، کہ آپ ہمارے لئے جو فیصلہ

فرمائیں اس کا انجام بہتر فرماویں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

یہ دعا بھی نقل کرتے ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ	اے اللہ ہم آپ سے آپ کی رحمت
رَحْمَتِكَ، وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ،	ومغفرت کے اسباب، اور ہر گناہ سے
وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ، وَالْغَنِيْمَةَ	حفاظت اور ہر نیکی کے حصول، اور
مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ، وَالنَّجَاةَ	جنت سے سرفرازی، اور آگ سے
مِنَ النَّارِ[1]	خلاصی کے طالب ہیں۔

---

[1] مستدرک حاکم۔ مسنون دعاؤں کی حکمتوں اور اسرار و نکات کے مطالعہ کے لئے مؤلف کا رسالہ "سیرت محمدی دعاؤں کے آئینہ میں" دیکھئے۔

راہِ خدا میں جہاد

دین اور سیرت نبوی میں جہاد کا مقام

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت، خدا تعالےٰ کی صحیح اور کامل و مکمل معرفت، صحیح اور ثابت شدہ عقائد پر ایمان، اور ان قلبی، بدنی، اور مالی عبادات ہی پر منحصر نہیں تھی، جو قرب الٰہی اور محبت و رضائے خداوندی کا ذریعہ ہیں، بلکہ ان سب امور کے ساتھ جہاد بھی آپؐ کے دین کی خصوصیات، اور دعوت کے ارکان، اور پسندیدہ اعمال میں سے تھا، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی	وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت
وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ	اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس دین کو
كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝	دنیا کے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ
(سورۂ توبہ۔ ۳۳۔ سورۂ صف۔ ۹)	کافر ناخوش ہی ہوں۔

اور اس کا ارشاد ہے:۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ	اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ
فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ	فتنہ (یعنی کفر کا زور اور دبدبہ) باقی

کُلُّہٗ لِلّٰہِ ج (سورۂ انفال ـ ۳۹) نہ رہے اور دین سب خدا ہی کا ہو جائے

علامہ ابن قیمؒ "زاد المعاد" میں لکھتے ہیں :۔

"جہاد چونکہ ایوان اسلام کا بلند کنگرہ ہے اور جنت میں مجاہدین کا اسی طرح بلند مقام ہے جس طرح دنیا میں بھی ان کو رفعت و بلندی حاصل ہے اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ذروۂ علیا[1] پر فائز اور اس کے تمام انواع و اقسام پر محیط تھے آپؐ نے راہ خدا میں اپنے قلب و جگر، دعوت و تبلیغ، اور سیف و سنان سے جہاد کا حق ادا کر دکھایا، آپؐ کے تمام اوقات قلبی، لسانی اور جسمانی جہاد کے لئے وقف تھے اسی لئے دنیا میں آپؐ سب سے بلند و بالا تر، اور خدا کے ہاں سب سے زیادہ مقرب و محبوب تھے، اور کیونکہ (خدا کے دشمنوں سے) خارجی جہاد، داخلی جہاد (راہِ حق میں اپنے نفس سے جہاد کی) ایک شاخ ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دے" اس لئے نفس کے ساتھ جہاد خارجی دشمن سے جہاد پر مقدم اور اس کی اساس ہے"۔

جہاد کے اقسام اور ان کی مشروعیت کی ترتیب

جہاد کی چار قسمیں ہیں :۔ (۱) نفس سے جہاد (۲) شیطان سے جہاد (۳) کفار سے جہاد (۴) منافقین سے جہاد، اور چاروں قسم کے جہاد کے الگ الگ درجات و مراتب بھی ہیں، حدیث میں آیا ہے :۔

مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ	جو اس حال میں مرجائے کہ اس نے
نَفْسَہٗ بِالْغَزْوِ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ	جہاد نہ کیا ہو اور نہ جہاد کی تمنا و ارادہ

[1] سب سے بلند چوٹی۔

مِنَ النِّفَاقِ۔ کیا ہو، وہ نفاق کے ایک حصہ پر مرے گا۔

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ کامل وہ شخص ہے جو جہاد کے تمام درجات و مراتب کا جامع ہو، نبی خاتم۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کامل ترین، اور خدا تعالےٰ کے مقرب ترین بندہ تھے، کیونکہ آپ نے جہاد کے تمام اقسام و مراتب کی تکمیل فرمائی، اور راہ خدا میں جہاد کا حق ادا کر دیا، اور بعثت کی ابتداء سے وفات تک جہاد میں مشغول رہے، دعوت و تبلیغ میں سرگرم عمل، اور باطل طاقتوں سے برسرپیکار رہے، رات دن خُفیہ و علانیہ لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے تھے، اور آپ اور آپ کے صحابہ سخت اذیتیں اور تکلیفیں جھیلتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے کچھ صحابہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے، پھر وہ وقت بھی آیا جب آپ خود بنفس نفیس اور آپ کے صحابہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مامور ہوئے، مدینۂ منورہ میں جب استقرار ہو گیا، اور اللہ نے اپنی خاص مدد اور مومن بندوں کے ذریعہ آپ کی نصرت فرمائی، اور ان کے دل آپس میں جوڑ دیئے، انصار اور لشکر اسلام نے آپ کی پشت پناہی کی، اپنی جانیں آپ پر نثار کر دیں، اور آپ کی محبت کو باپ دادوں، بیٹوں پوتوں، اور شوہروں بیویوں پر ترجیح دی، اور آپ انھیں ان کی اپنی ذات سے زیادہ محبوب اور عزیز ہو گئے، اس وقت عربوں اور یہودیوں نے متفقہ دشمنی کی ٹھان لی، اور وہ متحدہ طور پر مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آرا اور برسرپیکار ہو گئے، ادھر اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو صبر، اور عفو و درگذر کا حکم فرماتا رہا، یہاں تک کہ ان کی جمعیت مضبوط ہو گئی، اور ان کی ایک طاقت ہو گئی، اس وقت اللہ تعالےٰ نے قتال کی اجازت مرحمت فرمائی، لیکن فرض نہیں کیا، اور فرمایا:۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی

ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿الحج-۳۹﴾

کی جاتی ہے' ان کو اجازت ہے کہ وہ بھی لڑیں کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور خدا (ان کی مدد کرے گا) وہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔

پھر ان لوگوں سے جنگ کرنا فرض کر دیا گیا جو جنگ کریں' اور جو جنگ نہ کریں ان سے جنگ کرنا فرض نہیں قرار دیا گیا' ارشاد فرمایا:۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴿البقرہ-۱۹۰﴾

اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو۔

اس کے بعد تمام مشرکین سے "قتال" فرض قرار دے دیا گیا' اور ارشاد ہوا:۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ﴿الانفال-۳۹﴾

اور ان لوگوں سے لڑتے رہو' یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد) باقی نہ رہے' اور دین سب خدا ہی کا ہو جائے۔

جہاد کی فضیلت اور اس کے آداب و منافع

صحیح روایت میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا" اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں کسی لشکر سے پیچھے نہ رہتا' اور میری یہ تمنا ہے کہ میں خدا کے راستہ میں شہید کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر شہید کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر شہید کیا جاؤں"۔

اور فرمایا کہ:" اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی

روزہ دار خدا کے حضور کھڑا نماز پڑھ رہا ہے اور خدا کی آیتیں تلاوت کر رہا ہے، نہ روزہ سے تھکتا ہے، نہ نماز سے، یہاں تک کہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والا (میدان جہاد سے) واپس آجائے۔"

اور فرمایا: "خدا کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام کو نکلنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہے" اور فرمایا کہ "جنت کے دروازے تلوار کے سایوں کے نیچے ہیں" اور فرمایا: "راہ خدا میں جس کے دونوں قدم گرد آلود ہو جائیں، وہ آگ پر حرام ہو جائیں گے" اور فرمایا: "راہِ خدا کا غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندہ کے چہرے پر جمع نہیں ہوگا" اور فرمایا: "خدا کی راہ میں مورچہ پر جمے رہنا دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے سب سے بہتر ہے" اور فرمایا: "اسلام کی چوٹی جہاد ہے" اور جب جنگ میں سخت رن پڑتا تو لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سہارا لیتے تھے، اور آپؐ دشمن سے سب سے زیادہ قریب ہوتے تھے۔

آپؐ عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھانے سے منع فرماتے تھے، اور جب کوئی لشکر بھیجتے، تو اہل لشکر کو خدا کے خوف وتقویٰ کی وصیت فرماتے، اور فرماتے: "خدا کے نام سے خدا کی راہ میں چل پڑو، اللہ کے منکروں سے جنگ کرو، اور مثلہ نہ کرنا، غداری وخیانت نہ کرنا، کسی بچہ کو قتل نہ کرنا" اور جب کسی فوج و لشکر کا کسی کو امیر بناتے تو اور وصیتوں کے ساتھ ایک وصیت یہ بھی ہوتی کہ "اپنے مشرک دشمن کا جب سامنا ہو تو انھیں تین چیزوں کی دعوت دو، ان میں سے جو بھی قبول کرلیں، تو تم بھی اسے قبول کرلو، اور اپنے ہاتھ ان سے روک لو، پھر ان کو اپنے علاقہ سے دار المہاجرین منتقل ہونے کی دعوت دو، اور ان کو یہ بتادو کہ اگر وہ وہاں منتقل ہو گئے تو ان کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو مہاجرین کے ہیں، اور ان کی ذمہ داریاں بھی مشترک ہوں گی، اور اگر وہ اس کے لئے تیار نہ ہوں تو بتادو کہ ان کا معاملہ بادیہ میں رہنے والے

مسلمانوں (اَعراب) کا سا ہوگا، خدا کے وہ احکام جو تمام مومنوں سے متعلق ہیں ان سے بھی متعلق رہیں گے، اور مالِ غنیمت اور مالِ فیئ میں صرف اسی وقت ان کا حصہ ہوگا جب وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے، اور اگر وہ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوں تو ان سے "جزیہ" کا مطالبہ کرو، اگر اس کے لئے تیار ہو جائیں تو بس اب ان سے جنگ نہ کرو، اور اگر تیار نہ ہوں تو اللہ کے بھروسہ پر ان سے جنگ کرو۔"[1]

آپؐ جنگوں میں لوٹ مار اور مُثلہ[2] کرنے سے منع فرماتے تھے، اور مالِ غنیمت میں خیانت (غُلول) سے بہت سختی سے روکتے تھے، آپؐ یہ بھی فرماتے تھے: "مسلمانوں کا عہد و پیمان ایک ہی ہے، کوئی معمولی سے معمولی مسلمان بھی کسی سے عہد کر سکتا ہے" اور فرماتے کہ جو لوگ عہد توڑ دیتے ہیں (اور اس کا خیال نہیں رکھتے) دشمن کو ان پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔[3]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کی تعداد ۲۷ ہے، اور دوسری جنگی کارروائیوں اور مہموں کی تعداد جن میں آپؐ بنفسِ نفیس شریک نہیں تھے، ۶۰ تک پہونچتی ہے، ان سب میں باقاعدہ جنگ کی نوبت نہیں آئی، اور ان تمام غزوات و سرایا میں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے بھیجے گئے، جتنا خون بہایا گیا، دنیا کی جنگوں کی پوری تاریخ میں ہمیں اس سے کم کوئی مقدار نظر نہیں آتی، ان تمام غزوات کے مقتولین کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ (۱۰۱۸) سے زیادہ نہیں، جس میں دونوں فریق

---

[1] مسلم شریف بروایت سلیمان بن بُریدہ عن اَبیہ مرفوعًا (طویل حدیث ہے)

[2] زخمی یا مقتول کے اعضاء کو کاٹنا، یا اس کے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

[3] تلخیص از "زاد المعاد" صـ ۲۹۲-۳۲۶ مع کچھ اضافوں کے۔

شامل ہیں[1]، لیکن اس قلیل تعداد نے خونِ آدم کو جس ارزانی سے اور انسانیت کو جس بے عزتی اور بے آبروئی سے بچایا اس کا مکمل طور پر جائزہ لینا مشکل بلکہ ناممکن ہے، اس کے نتیجہ میں جزیرۃ العرب کے اطراف میں اس قدر امن واطمینان کی فضا قائم ہوگئی کہ ایک مسافر خاتون حیرہ[2] سے چلتی اور کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی، اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا ڈر نہ ہوتا، اسی کے ساتھ ساتھ جہاد اسلام کی نشر و اشاعت، اور خدا کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے وحدہ لاشریک لہ کی بندگی، مذاہب وادیان کے ظلم وانحراف سے اسلام کے سایہ عدل وانصاف، اور دنیائے دل کی تنگ نائیوں، اور نفس پرستی کے قفس تنگ سے نکال کر آفاق وانفس کی لامحدود وسعتوں، اور فضائے ناپیدا کنار میں منتقل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ "جہاد میری بعثت سے لے کر اس وقت تک قائم رہے گا کہ جب میری امت کا آخری گروہ دجّال سے جہاد کرے گا، جہاد کو ظالموں کا ظلم ختم کر سکتا ہے، نہ عادلوں کا عدل[3]" اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو خدا تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس پر جہاد کا کوئی اثر نہ ہوگا، اس کی خدا تعالیٰ سے ملاقات اس حال میں ہوگی کہ (اس کا جسم) داغدار ہوگا[4]"، ایک حدیث میں ہے: کہ "جو اس حال میں مرجائے کہ اس نے جہاد نہ کیا ہو،

---

[1] مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے "رحمۃ للعالمین" میں یہی تعداد لکھی ہے، جو گہرے مطالعہ اور ذمہ دارانہ تحقیق پر مبنی ہے۔ [2] حیرہ بادیۃ العراق کا ایک مشہور شہر ہے، مقصد یہ ہے کہ جزیرۃ العرب کے ایک دور دراز گوشہ سے چل کر اطمینان کے ساتھ جاتی۔ [3] جامع کبیر از علامہ سیوطیؒ بواسطہ دیلمی وبروایت حضرت انسؓ۔ [4] جامع کبیر از علامہ سیوطیؒ بواسطہ دیلمی وبروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

[5] ترمذی وابوداؤد شریف۔

اور نہ جہاد کا خیال دل میں آیا ہو، وہ نفاق کے ایک حصہ کے ساتھ مرے گا۔[۱]

جہاد — جب اپنے شرائط، احکام و آداب کے ساتھ ہو — بڑے خیر و برکت کا سرچشمہ، دنیا کے لئے سعادت، اور پوری انسانیت کے لئے رحمت کا ذریعہ ہے[۲]، اور جب سے اس جہاد اسلامی کا سلسلہ منقطع اور موقوف ہوگیا، اور اس کی جگہ قوم و وطن کے نام پر ہادی اور سیاسی جنگوں اور ان داخلی انقلابات نے لے لی جن کا مقصد نہ رضائے الٰہی کا حصول تھا، نہ اعلاء کلمۃ اللہ، اور نہ انسانیت کو جاہلیت، طاغوت اور نفس پرستی کے شکنجہ سے نکالنا اور ابدی سعادتوں سے ہم کنار کرنا، اسی وقت سے پوری دنیا جہاد کے فوائد و برکات سے محروم ہوگئی، مسلمان ساری دنیا میں رسوا ہوگئے، اور اپنی قدر و قیمت اور اپنا وزن کھو بیٹھے[۳]، اور یہ نبوی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی:۔

"قریب ہے کہ قومیں تم پر اس طرح ٹوٹ پڑیں، جس طرح اپنے پیالہ پر کھانے والے ٹوٹتے ہیں، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ کیا ہماری تعداد اس وقت کم ہوگی؟ آپؐ نے فرمایا نہیں! تمہاری تعداد بڑی ہوگی، لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی طرح جھاگ بن جاؤ گے، اور خدا تعالیٰ تمہارے دشمن کے دل سے تمہاری ہیبت اور خوف نکال دے گا، اور تمہارے

---

[۱] ابو داؤد شریف۔ [۲] ملاحظہ کیجئے "صراط مستقیم" کے دوسرے باب کی چوتھی فصل کا افادہ مہ (ص۹۵-۹۶) نسخہ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، لاہور۔ [۳] اس کا ایک نمونہ بیروت کا وہ المیہ ہے جو اگست و ستمبر ۱۹۸۲ء میں پیش آیا، اور جس میں یہودیوں اور لبنانی عیسائیوں (فلانجسٹ) کے ہاتھوں فلسطینیوں کا قتل عام، آبروریزی اور وہ سفاکی و درندگی کے نمونے سامنے آئے جس سے آدم خور قبائل، اور خونخوار جانور بھی شرمائیں، اور اس کے مقابلہ میں عالم اسلام کی بے بسی، اور عرب حکومتوں کی بے حمیتی و بے حسی ہے "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ" (آل عمران - ۱۳)

دلوں میں وہن ڈال دے گا کسی نے عرض کیا حضورؐ "وہن" سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

"دنیا کی محبت اور موت سے نفرت"[1]

اور صحیح حدیث میں آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ[2]، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ۔[3]	جب تم سود کے ساتھ خرید و فروخت کرنے لگو گے اور گایوں کی دم پکڑے رہو گے اور کھیتی باڑی میں مگن رہو گے، اور جہاد چھوڑ دو گے تو خدا تعالیٰ تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس کو اس وقت تک نہ اٹھائیگا جب تک تم دین کی طرف واپس نہ آجاؤ گے۔

جہاد صرف جنگ و قتال ہی پر (جو ضرورت کے وقت جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم اور افضل ترین مظہر ہے) منحصر نہیں ہے، بلکہ ہر وہ کوشش جو اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کے غلبہ کی خاطر کی جائے جہاد ہے، حدیث پاک میں آتا ہے۔

"سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ یا ظالم حکمراں کے سامنے حق و انصاف کی بات کہی جائے۔"

اسی طرح مسلمانوں کے لئے بالکل اس کی گنجائش نہیں ہے کہ اپنے ان دینی بھائیوں،

---

[1] سنن ابو داؤد، کتاب الملاحم۔ [2] عینہ اصلاً اسے کہتے ہیں کہ آدمی کوئی چیز متعین قیمت پر فروخت کرے اس شرط پر کہ قیمت اتنی متعینہ مدت میں لے لی جائیگی، پھر اس خریدار سے وہی چیز کم قیمت پر لے۔ (عینہ، سود کے لئے بھی بولا جاتا ہے)۔ [3] ابو داؤد شریف۔

اور کمزور مظلوم مسلمانوں کے حالات سے چشم پوشی اختیار کرلیں، اور تغافل برتیں جو دنیا کے کسی گوشہ میں ظلم و بربریت، ذلت واہانت، تعذیب وایذارسانی، اور طرح طرح کے سفاکانہ اور بہیمانہ مظالم کے نشانہ بنائے جارہے ہوں، اوران کا قصور صرف اتنا ہو کہ وہ مسلمان ہیں، مسلمانوں کی یہ مجموعی ذمہ داری ہے کہ اس صورت حال کو تبدیل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں، اور ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑنے والے ان مجرموں کو کم سے کم اپنی ناپسندیدگی، نفرت، اور شدید بے چینی کا احساس دلائیں، کیونکہ صحیح حدیث میں آپ کا ارشاد گرامی ہے :۔

تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى.[1]	تم مومنوں کو اپنی آپس کی شفقت، الفت و محبت اور ہمدردی میں ایک جسم کی طرح پاؤگے کہ جس کا ایک عضو اگر تکلیف میں مبتلا ہوجائے تو سارے اعضاء بے خوابی اور بخار میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے :۔

مَنْ لَمْ يَهْتَمَّ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ.[2]	مسلمانوں کے حالات کی جو شخص فکر نہ کرے، وہ ان میں سے نہیں۔

---

[1] مسلم شریف، کتاب البر والصلۃ والآداب، وبخاری شریف، کتاب الأدب۔

[2] دیکھئے بیہقی کی "شعب الایمان"۔

تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس

بعثت محمدی صلے اللہ علیٰ صاحبہا وسلم کے مقاصد

اللہ تعالٰے نے بعثت محمدی کے ابتدائی اور بنیادی مقاصد اور عظیم و اساسی فوائد قرآن پاک کی متعدد آیات میں ذکر فرمائے ہیں، اس کا ارشاد ہے :-

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ٥ (البقرہ - ۱۵۱)	جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تمہیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمہیں پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں، اور ایسی باتیں بتلاتے ہیں، جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

اور وہ فرماتا ہے :-

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ	خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ	اور ان کو پاک کرتے اور خدا کی کتاب
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝	اور دانائی سکھاتے ہیں، اور پہلے تو یہ لوگ
(آل عمران - ۱۶۴)	صریح گمراہی میں تھے۔

اور ارشاد ہے :۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا	وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انھیں
مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ	میں سے (محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو) پیغمبر
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ	بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝	پڑھتے اور ان کو پاک کرتے، اور خدا کی
(الجمعۃ - ۲)	کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں، اور
	اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی
	میں تھے۔

دعوت نبوی اور بعثت محمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائرۂ مقاصد میں تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس بڑا اہم مقام رکھتے ہیں، اور قرآن کا اسلوب بیان یہ بتاتا ہے کہ حکمت سے مراد بلند اخلاق اور اسلامی آداب ہی ہیں، قرآن نے سورۂ اسراء میں ان اخلاق و آداب کے اصول اور بنیادی امور ذکر کرنے کے بعد مطلقاً ان کو "حکمت" سے یاد کیا ہے، ارشاد ہے :۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ	(اے پیغمبر) یہ ان (ہدایتوں) میں سے
الْحِكْمَةِ ۭ	ہیں جو خدا نے دانائی کی باتیں تمہاری
(الاسراء - ۳۹)	طرف وحی کی ہیں۔

اور حضرت لقمان کی اخلاقی تعلیمات کے تذکرہ سے پہلے ارشاد ہے :۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ	اور ہم نے لقمان کو دانائی بخشی کہ خدا کا
لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ	شکر کرو اور جو شخص شکر کرتا ہے تو اپنے ہی
لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ	فائدے کے لئے شکر کرتا ہے، اور جو
حَمِيْدٌ ؀	ناشکری کرتا ہے تو خدا بھی بے پروا
(لقمان - ۱۲)	اور سزاوار (حمد و ثنا) ہے۔

اور راہِ خدا میں احسان جتائے بغیر خرچ کرنے، اور فقر و تنگ دستی سے نہ ڈرنے، اور خدا تعالےٰ پر توکل و اعتماد کرنے کی وصیت کے بعد ارشاد ہوتا ہے :۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ	وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے،
يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا	اور جس کو دانائی ملی، بیشک اس کو بڑی
كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ	نعمت ملی، اور نصیحت تو وہی لوگ
(البقرۃ - ۲۶۹)	قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظیم مقصد کا جس کے لئے آپ کی بعثت ہوئی، تاکید و حصر کے الفاظ کے ساتھ تذکرہ فرمایا :۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ[1]	میری بعثت ہی اس لئے ہوئی کہ میں مکارم اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہونچاؤں۔

---

[1] موطا امام مالکؒ، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ صحیح سندوں سے یہ حدیث متصل ہے، جن کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابی راوی ہیں، اور امام احمد نے مسند میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صحیح سند سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، انما بعثت لأتمم صالح الأخلاق "(نیک اخلاق کی تکمیل کے لئے میری بعثت ہوئی ہے)

اور آپؐ اخلاق کریمہ کا بہترین نمونہ، اور کامل ترین اسوہ تھے۔

ارشاد قرآنی ہے:۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم ۔۴) اور اخلاق تمہارے بہت عالی ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ۔[1] آپؐ کے اخلاق معلوم کرنا ہو تو قرآن دیکھو۔

یہ حکمت اور تزکیۂ نفس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بابرکت اور ہم نشینی کا نتیجہ تھی، آپ ہی کے آغوش تربیت، اور دامن عاطفت میں ایک ایسی نسل پروان چڑھی، جو اعلیٰ اخلاق اور بہترین صفات سے مزین، اخلاق رذیلہ، برے عادات واطوار، مذموم صفات نفس کے شرور وفتن، جاہلیت کے اثرات، اور شیطان کے مغالطوں سے محفوظ تھی، اور خود قرآن ان کی استقامت، صلاح، اور تہذیب اخلاق وتزکیۂ نفس کے بلند مقام پر فائز ہونے کی شہادت دیتا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۔

اور جان رکھو کہ تم میں خدا کے پیغمبر ہیں، اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑجاؤ، لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا، اور اس کو تمہارے دلوں میں سجادیا، اور کفر اور گناہ اور

---

[1] مسلم شریف۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ۝ فَضْلًا	نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا، یہی لوگ
مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ	راہِ ہدایت پر ہیں .... خدا کے فضل
حَكِيمٌ ۝	اور احسان سے، اور خدا جاننے والا
(الحجرات - ۷ - ۸)	اور حکمت والا ہے۔

زبان نبوت نے بھی اس کی شہادت دی ہے، آپ نے فرمایا:۔

خیر الناس قرنی۔[1] سب سے اچھے لوگ میرے دور کے لوگ ہیں۔

صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بڑی بلاغت کے ساتھ جماعت صحابہ کا تعارف کرایا ہے، مختصر لیکن ہمہ گیر اور معنی خیز الفاظ میں ان کا اس طرح اعتراف کیا ہے:۔

أبرّ الناس قلوبًا، وأعمقهم	دل کے پاک، علم کے گہرے، تکلفات
علمًا، وأقلّهم تكلفًا۔	سے بری۔

وہ اسلام کی فصلِ بہار، نبوت کی آدم گری و مردم سازی کا نمونہ، اور تربیت و تزکیۂ نبوی کا اعجاز تھے۔

انسان سازی کی ایک دائمی کارگاہ

جب اس صحبت نبوی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، تو قرآن پاک، حدیث شریف اور سیرت طیبہ اس خلا کو پُر کرتے رہے، فقہ باطن، حکمت، قلوب کے امراض، نفس کے شرور اور شیطان کے

---

[1] بخاری شریف۔

مکائد کے علاج کا ایک دائمی اور عالمگیر مطب اور دارالشفا تھا۔

لیکن مختلف سیاسی، اخلاقی و معاشی عوامل کے اثر اور مرور زمانہ سے حدیث کے تربیتی اور اخلاقی پہلو اور اس کے بنیادی طرز فہم و تفہیم، شرح و تدریس پر وہ طرز غالب آتا چلا گیا، جو اس وقت کے معاشرہ کے لئے زیادہ پرکشش، لوگوں کی نظر میں زیادہ وقعت پیدا کرنے والا، اور مناصب اور عہدوں پر فائز ہونے میں مدد دینے والا تھا، حدیث کی تدریس و تفہیم اثبات مذاہب اور ان کے لئے دلائل فراہم کرنے اور سیرت تاریخی اور علمی بحثوں میں محدود ہو کر رہ گئی۔

لیکن اس کے باوجود حدیث و سیرت (قرآن مجید کے بعد) تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس، دلوں کے زنگ کی صفائی، اور انسانی نفوس کے آئینہ کو صیقل کرنے کا سب سے مؤثر اور سہل العمل ذریعہ ہے۔

حدیث کی کتابوں میں جو مواد پایا جاتا ہے، وہ دو قسم کا ہے، ایک کا تعلق اعمال، ان کی شکلوں، ہیئتوں، اور محسوس احکام جیسے قیام و قعود، رکوع و سجود، تلاوت و تسبیح، دعاؤں، اذکار و اوراد، دعوت و تبلیغ، جہاد و غزوات، صلح و جنگ میں دوست و دشمن کے ساتھ معاملہ، اور دوسرے احکام و مسائل سے ہے، اور دوسری قسم ان باطنی کیفیات سے متعلق ہے، جو ان اعمال کی ادائیگی کے ساتھ پائی جاتی تھیں، اور ان احکام کی اصل غرض و غایت ہیں، ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص و احتساب، صبر و توکل، زہد و استغناء، ایثار و سخاوت، ادب و حیاء، خشوع و خضوع، انابت و تضرع، دعا کے وقت دل شکستگی، دنیا پر آخرت کو ترجیح، رضائے الٰہی اور دیدار کا شوق، اعتدال فطرت، سلامتی ذوق، مخلوق پر رحمت و شفقت، کمزوروں کے ساتھ ہمدردی،

احساس کی لطافت، جذبات کی پاکیزگی، جود وسخا، تحمل و بردباری، تواضع وخاکساری، شجاعت وبہادری، خدا کے لئے محبت ونفرت، احسان ونیکی، اور شرافت وانسانیت کی باریک سے باریک تر اور نازک ترین شکلیں، برا معاملہ کرنے والے سے عفوو درگذر، قطع تعلق کرنے والے کے ساتھ صلہ رحمی، اور نہ دینے والے کے ساتھ عطاو بخشش کا معاملہ، اور اس طرح کی بہت سی کیفیات ہیں، جو نمونوں، ورمثالوں کے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں، اور مشاہدہ، یا خبر متواتر کے بغیر ان کی تصدیق مشکل ہے۔

اس لئے ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جامع اوصاف کریمہ، جو ان حضرات کے بیان کئے ہوئے ہیں، جو آپ سے سب سے زیادہ قریب، اور آپ کی خلوت وجلوت، اجتماعی، انفرادی، اور عائلی زندگی سے بخوبی واقف تھے، اور جن کی نظر نفسیات انسانی، اور اخلاق کی باریکیوں پر بہت گہری تھی، یہاں ذکر کرتے ہیں، پھر مختصراً آپ کے اخلاق وشمائل ذکر کریں گے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جامع اور بلیغ وصف

ذیل میں ہم صرف دو شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں، ایک ہند بن ابی ہالہ کی (جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فرزند اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ماموں ہیں) شہادت اور دوسری حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت جو انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق وشمائل کے بارے میں دی ہے:

ہند بن ابی ہالہ کہتے ہیں:

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت آخرت کی فکر میں اور امور آخرت کی

سوچ میں رہتے اس کا ایک تسلسل قائم تھا کہ کسی وقت آپؐ کو چین نہیں ہوتا تھا، اکثر طویل سکوت اختیار فرماتے، بلا ضرورت کلام نہ فرماتے، گفتگو کا آغاز فرماتے تو دہن مبارک سے اچھی طرح الفاظ ادا فرماتے[1]، اور اسی طرح اختتام فرماتے، آپ کی گفتگو اور بیان بہت صاف، واضح اور دو ٹوک ہوتا، نہ اس میں غیر ضروری طوالت ہوتی، نہ زیادہ اختصار، آپؐ نرم مزاج و نرم گفتار تھے، درشت خو اور بے مروت نہ تھے، نہ کسی کی اہانت کرتے تھے، اور نہ اپنے لئے اہانت پسند کرتے تھے[2]، نعمت کی بڑی قدر کرتے اور اس کو بہت زیادہ جانتے خواہ کتنی ہی قلیل ہو، (کہ آسانی سے نظر بھی نہ آئے) اور اس کی برائی نہ فرماتے، کھانے پینے کی چیزوں کی برائی کرتے نہ تعریف، دنیا اور دنیا سے متعلق جو بھی چیز ہوتی، اس پر آپؐ کو کبھی غصہ نہ آتا لیکن جب خدا کے کسی حق کو پامال کیا جاتا تو اس وقت آپؐ کے جلال کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہ سکتی تھی، یہاں تک کہ آپؐ اس کا بدلہ لے لیتے، آپؐ کو اپنی ذات کے لئے غصہ نہ آتا، نہ اس کے لئے انتقام لیتے، جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے، جب کسی امر پر تعجب فرماتے تو اس کو پلٹ دیتے، گفتگو کرتے وقت داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ملاتے، غصہ اور ناگواری کی بات ہوتی تو رخ پھیر لیتے اور اس طرف سے بالکل پھیر لیتے

---

[1] یعنی متکبروں کی طرح بے توجہی و بے نیازی کے ساتھ ادھ کٹے الفاظ استعمال نہ فرماتے۔

[2] یہاں "المہین" کا لفظ آیا ہے، جو "میم" پر ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے، اگر "مُہین" مراد لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی کی اہانت آپؐ نہ فرماتے تھے، اور اگر "مَہین" ہو تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ آپؐ اپنی ذلت و پستی پسند نہ فرماتے تھے، مطلب یہ ہے کہ نہ درشت خو تھے، نہ کمزور طبیعت کے مالک تھے کہ ہر چیز گوارا فرما لیتے، بلکہ ہیبت و رعب اور جلال و وقار کے مختلف پہلوؤں کے جامع تھے۔

اور اعراض فرماتے، خوش ہوتے تو نظریں جھکا لیتے، آپؐ کا ہنسنا زیادہ تر تبسّم تھا، جس سے صرف آپؐ کے دندان مبارک جو بارش کے اولوں کی طرح پاک و شفاف تھے ظاہر ہوتے۔"

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کو علم وواقفیت کے بہترین ذرائع و مواقع حاصل تھے، اور جو قریب ترین اشخاص میں سے تھے، اور اسی کے ساتھ وصف نگاری اور منظر کشی میں بھی ان کو سب سے زیادہ قدرت تھی، آپؐ کے اوصاف اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"آپؐ طبعاً بد کلامی اور بے حیائی و بے شرمی سے دور تھے، اور تکلفاً بھی ایسی کوئی بات آپؐ سے سرزد نہیں ہوتی تھی، بازاروں میں آپؐ کبھی آواز بلند نہ فرماتے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے، بلکہ عفو و درگذر کا معاملہ فرماتے، آپؐ نے کسی پر کبھی دست درازی نہ فرمائی، سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ہو، کسی خادم یا عورت پر آپؐ نے کبھی ہاتھ نہ اٹھایا، میں نے آپؐ کو کسی ظلم و زیادتی کا انتقام لیتے ہوئے بھی نہیں دیکھا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ کردہ حدود کی خلاف ورزی نہ ہو، اور اس کی حرمت و ناموس پر آنچ نہ آئے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو پامال کیا جاتا، اور اس کے ناموس پر حرف آتا، تو آپؐ اس کے لئے ہر شخص سے زیادہ غصہ ہوتے، دو چیزیں سامنے ہوں تو ہمیشہ آسان چیز کا آپؐ انتخاب فرماتے، جب دولت خانہ پر تشریف لاتے تو عام انسانوں کی طرح نظر آتے، اپنے کپڑوں کو صاف کرتے، بکری کا دودھ دوہتے، اور اپنی سب ضرورتیں خود انجام دے لیتے۔

اپنی زبان مبارک محفوظ رکھتے، اور صرف اسی چیز کے لئے کھولتے جس سے آپؐ کو کچھ سروکار ہوتا، لوگوں کی دلداری فرماتے اور ان کو متنفر نہ فرماتے، کسی قوم و برادری کا معزز شخص آتا تو اس کے ساتھ اکرام و اعزاز کا معاملہ فرماتے، اور اس کو اچھے اور اعلیٰ عہدہ پر مقرر فرماتے، لوگوں کے بارے میں محتاط تبصرہ کرتے، بغیر اس کے کہ اپنی بشاشت

اور اخلاق سے ان کو محروم فرمائیں، اپنے اصحاب کے حالات کی برابر خبر رکھتے، لوگوں سے لوگوں کے معاملات کے بارے میں دریافت کرتے رہتے۔

اچھی بات کی اچھائی بیان فرماتے اور اس کو قوت پہونچاتے، بُری بات کی برائی کرتے، اور اس کو کمزور کرتے، آپؐ کا معاملہ معتدل اور یکساں تھا، اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا تھا، آپؐ کسی بات سے غفلت نہ فرماتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں دوسرے لوگ بھی غافل نہ ہونے لگیں، اور اکتا جائیں، ہر حال اور ہر موقعہ کے لئے آپؐ کے پاس اس حال کے مطابق ضروری سامان تھا، نہ حق کے معاملہ میں کوتاہی فرماتے، نہ حد سے آگے بڑھتے، آپؐ کے قریب جو لوگ رہتے تھے، وہ سب سے اچھے اور منتخب ہوتے تھے، آپؐ کی نگاہ میں سب سے زیادہ افضل وہ تھا جس کی خیر خواہی اور اخلاق عام ہو، سب سے زیادہ قدر و منزلت اس کی تھی، جو غم خواری و ہمدردی، اور دوسروں کی مدد و معاونت میں سب سے آگے ہو، خدا کا ذکر کرتے ہوئے کھڑے ہوتے، اور خدا کا ذکر کرتے ہوئے بیٹھتے، جب کہیں تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی اسی جگہ تشریف رکھتے، اور اس کا حکم بھی فرماتے، اپنے حاضرین مجلس اور ہم نشینوں میں ہر شخص کو (اپنی توجہ اور التفات میں) پورا حصہ دیتے، آپؐ کا شریک مجلس یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر آپؐ کی نگاہ میں کوئی اور نہیں ہے، اگر کوئی شخص آپؐ کو کسی غرض سے بٹھا لیتا، یا کسی ضرورت میں آپؐ سے گفتگو کرتا تو نہایت صبر و سکون سے اس کی پوری بات سنتے، یہاں تک کہ وہ خود ہی اپنی بات پوری کر کے رخصت ہوتا، اگر کوئی شخص آپؐ سے کچھ سوال کرتا، اور کچھ مدد چاہتا تو بلا اس کی ضرورت پوری کئے، واپس نہ فرماتے، یا کم از کم نرم و شیریں لہجہ میں جواب دیتے، آپؐ کا حسن اخلاق تمام لوگوں کے لئے وسیع اور عام تھا، اور آپؐ ان کے حق میں باپ ہو گئے تھے، تمام لوگ

حق کے معاملہ میں آپؐ کی نظر میں برابر تھے، آپؐ کی مجلس علم و معرفت، حیا و شرم، اور صبر و امانت داری کی مجلس تھی، نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں، نہ کسی کے عیوب بیان کئے جاتے تھے، نہ کسی کی عزت و ناموس پر حملہ ہوتا تھا، نہ کمزوریوں کی تشہیر کی جاتی تھی، سب ایک دوسرے کے مساوی تھے، اور صرف تقویٰ کے لحاظ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی تھی، اس میں لوگ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کے ساتھ رحم دلی اور شفقت کا معاملہ کرتے تھے، حاجت مند کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، مسافر اور نو وارد کی حفاظت کرتے، اور اس کا خیال رکھتے تھے" وہ کہتے ہیں:-

"آپؐ ہمہ وقت کشادہ رو، اور انبساط و بشاشت کے ساتھ رہتے تھے، بہت نرم اخلاق اور نرم پہلو تھے[1]، نہ سخت طبیعت کے تھے، نہ سخت بات کہنے کے عادی، نہ چلا کر بولنے والے، نہ عامیانہ اور مبتذل بات کرنے والے، نہ کسی کو عیب لگانے والے، نہ تنگ دل، بخیل، جو بات آپؐ کو پسند نہ ہوتی اس سے تغافل فرماتے، (یعنی اس کو نظر انداز کر دیتے اور گرفت نہ فرماتے) اور صراحتاً ... اسے مایوس بھی نہ فرماتے، اور اس کا جواب بھی نہ دیتے تین باتوں سے آپؐ نے اپنے کو بالکل بچا رکھا تھا، ایک جھگڑا[2]، دوسرے تکبر، اور تیسرے غیر ضروری اور لایعنی کام، لوگوں کو بھی تین[3] باتوں سے آپؐ نے بچا رکھا تھا، نہ کسی کی برائی کرتے تھے، نہ اس کو عیب لگاتے تھے، اور نہ اس کی کمزوریوں اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتے تھے، اور صرف وہ کلام فرماتے تھے جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی، جب

---

[1] یعنی جلد مہربان ہو جانے والے، بہت لطف و کرم والے، اور بہت آسانی سے درگذر کرنے والے تھے، یہ بھی آتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپؐ کسی سے نزاع نہیں فرماتے تھے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سکون و وقار اور خشوع و خضوع ہے۔

گفتگو کرتے تھے تو شرکاءِ مجلس ادب سے اس طرح سر جھکا لیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں[۱]، جب آپؐ خاموش ہوتے تب یہ لوگ بات کرتے، آپؐ کے سامنے کبھی نزاع نہ کرتے، اگر آپؐ کی مجلس میں کوئی شخص گفتگو کرتا تو بقیہ سب لوگ خاموشی سے سنتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لیتا، آپؐ کے سامنے ہر شخص کی گفتگو کا وہی درجہ ہوتا، جو ان کے پہلے آدمی کا ہوتا (کہ پورے اطمینان سے اپنی بات کہنے کا موقعہ ملتا، اور اسی قدر دانی اور اطمینان کے ساتھ اسے سنا جاتا) جس بات سے سب لوگ ہنستے اس پر آپؐ بھی ہنستے، جس سے سب تعجب کا اظہار کرتے آپؐ بھی تعجب فرماتے، مسافر اور پردیسی کی بے تمیزی، اور ہر طرح کے سوال کو صبر و تحمّل کے ساتھ سنتے، یہاں تک کہ آپؐ کے اصحاب کرامؓ ایسے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے (تاکہ آپؐ پر کوئی بار نہ ہو) آپؐ فرماتے تھے کہ "تم کسی حاجت مند کو پاؤ تو اس کی مدد کرو" آپؐ مدح و تعریف اسی شخص کی قبول فرماتے، جو حدِ اعتدال میں رہتا، کسی کی گفتگو کے دوران کلام نہ فرماتے، اور اس کی بات کبھی نہ کاٹتے، ہاں اگر وہ حد سے بڑھنے لگتا تو اس کو منع فرما دیتے، یا مجلس سے اٹھ کر اس کی بات قطع فرما دیتے۔

آپؐ سب سے زیادہ فراخ دل، کشادہ قلب، راست گفتار، نرم طبیعت، اور معاشرت و معاملات میں نہایت درجہ کریم تھے، جو پہلی بار آپؐ کو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، آپؐ کی صحبت میں رہتا، اور جان پہچان حاصل ہوتی تو آپؐ کا فریفتہ اور دلدادہ ہو جاتا، آپؐ کا ذکرِ خیر کرنے والا کہتا ہے کہ نہ آپؐ سے قبل میں نے آپؐ جیسا کوئی شخص دیکھا نہ آپؐ کے بعد، صلے اللہ علیٰ نبینا وسلم۔"[۲]

---

[۱] یعنی بے حس و حرکت کہ کہیں جنبش سے چڑیاں نہ اڑ جائیں۔ [۲] اقتباس از "شمائل ترمذی" منقول از "نبی رحمت"

آپؐ کے اخلاق عالیہ پر ایک نظر

"آپؐ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فراخ دل، نرم طبیعت، اور خاندانی لحاظ سے سب سے زیادہ محترم تھے، اپنے اصحاب کرام سے الگ تھلگ نہ رہتے تھے، بلکہ ان سے پورا میل جول رکھتے تھے، ان سے باتیں کرتے، ان کے بچوں کے ساتھ خوش طبعی اور خوش مذاقی کے ساتھ پیش آتے، ان بچوں کو اپنی گود میں بٹھاتے، غلام اور آزاد، باندی، مسکین اور فقیر سب کی دعوت قبول فرماتے، بیماروں کی عیادت فرماتے، خواہ وہ شہر کے آخری سرے پر ہوں، عذرخواہ کا عذر قبول فرماتے[1]، آپؐ کو صحابہ کرامؓ کی مجلس میں کبھی پیر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا، تاکہ اس کی وجہ سے کسی کو تنگی و دشواری نہ ہو، آپؐ کے صحابۂ کرام ایک دوسرے سے اشعار سنتے سناتے، اور جاہلیت کی بعض باتوں، اور واقعات کا تذکرہ کرتے تو آپؐ ساکت رہتے یا تبسم فرما دیتے، آپؐ نہایت درجہ نرم دل محبت کرنے والے، اور لطف و عنایت کا پیکر تھے، اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے میرے دونوں بیٹوں (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) کو بلاؤ، وہ دوڑتے ہوئے آتے تو آپؐ ان دونوں کو پیار کرتے، اور ان کو اپنے سینہ سے لگا لیتے[2]، آپؐ کے ایک نواسے کو آپؐ کی گود میں اس حال میں دیا گیا کہ اس کی سانس اکھڑ چکی تھی تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، سعدؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ رحم ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے،

---

[1] روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (ابو نعیم: الحلیہ)

[2] ترمذی، باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما۔

اور بیشک اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں ہی پر رحم فرماتا ہے"[1]

جب بدریوں کے قیدیوں کے ساتھ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی مشکیں کسی گئیں، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کراہ سنی تو آپ کو نیند نہیں آئی، جب انصار کو یہ بات معلوم ہوئی، تو انھوں نے ان کی مشکیں کھول دیں، اور یہ خواہش کی کہ ان کا فدیہ بھی چھوڑ دیا جائے، لیکن آپؐ نے اس بات کو قبول نہ فرمایا۔

مسلمانوں پر آپؐ بے حد شفیق اور مہربان تھے، اور ان کے احوال کی بہت رعایت فرماتے تھے، انسانی طبائع میں جو اکتاہٹ اور وقتی طور پر پست ہمتی یا تعطّل پیدا ہوتا رہتا ہے، اس کا برابر لحاظ رکھتے تھے، اسی لئے وعظ و نصیحت وقفوں کے ساتھ فرماتے تھے کہ کہیں اکتاہٹ نہ پیدا ہونے لگے، اگر کسی بچہ کا رونا سن لیتے تو نماز مختصر فرما دیتے، اور یہ فرماتے: "میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ طویل نماز پڑھوں کہ کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس خیال سے نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو دشواری و تکلیف نہ ہو"۔

آپؐ فرماتے تھے، تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کسی دوسرے کی شکایت نہ کرے، اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے اس حالت میں آؤں کہ میرا دل بالکل صاف ہو، آپؐ مسلمانوں کے حق میں شفیق باپ کی طرح تھے، آپؐ فرماتے تھے، جس نے ترکہ میں مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے، کچھ قرض وغیرہ باقی ہے، تو وہ ہمارے ذمہ، آپؐ افراط و تفریط سے پاک تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ

---

[1] بخاری شریف، کتاب المرضیٰ باب عیادة الصبیان، نیز کتاب الجنائز باب قول النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم "یعذب المیت ببکاء أھلہ"

علیہ وآلہ وسلم کو جب دو کاموں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینی ہوتی تو ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے جو زیادہ سہل ہوتا، بشرطیکہ اس میں گناہ کا شائبہ نہ ہو، اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپ اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اپنی نعمت کا نشان اپنے بندہ پر دیکھے۔

آپ گھر میں عام انسانوں کی طرح رہتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ "آپ اپنے کپڑوں کو بھی صاف فرماتے تھے، بکری کا دودھ بھی خود دوہ لیتے تھے اور اپنا کام خود انجام دے لیتے تھے، اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے، جوتا گانٹھ لیتے تھے" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے گھر میں کس طرح رہتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ "آپ گھر کے کام کاج میں رہتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے باہر چلے جاتے" اور بیان کرتی ہیں کہ آپ تمام لوگوں میں سب سے نرم اور سب سے زیادہ کریم تھے، اور ہنستے مسکراتے رہتے تھے" حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں "میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اپنے اہل وعیال پر شفیق ورحیم ہو" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے، جو اپنے اہل وعیال کے لئے سب سے بہتر ہو، اور میں اپنے اہل وعیال کے معاملہ میں تم سب سے — بہتر ہوں" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا، اگر خواہش ہوئی تو تناول فرمایا، ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "میں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سال خدمت کی آپ نے کبھی "ہوں" بھی نہیں کہا، اور نہ یہ فرمایا کہ فلاں کام

تم نے کیوں کیا، اور فلاں کام تم نے کیوں نہ کیا" آپؐ کے صحابۂ کرامؓ آپؐ کے لئے اس خیال سے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کہ آپ اس کو پسند نہیں فرماتے، اور فرماتے کہ "میری اس طرح آگے بڑھ کر تعریف و توصیف نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ کیا تھا، میں تو..... ایک بندہ ہوں، تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو" حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "مدینہ کی لونڈیوں اور باندیوں میں سے کوئی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جو کچھ کہنا ہوتا کہتی، اور جتنی دور چاہتی لے جاتی" عدی بن حاتم جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کو اپنے گھر بلایا، باندی نے تکیہ ٹیک لگانے کے لئے پیش کیا، آپؐ نے اس کو اپنے اور عدی کے درمیان رکھدیا، اور خود زمین پر بیٹھ گئے، عدی کہتے ہیں کہ اس سے میں سمجھ گیا کہ وہ بادشاہ نہیں ہیں، ایک شخص نے آپؐ کو دیکھا تو رعب و جلال سے کانپ گیا، آپؐ نے فرمایا، "گھبراؤ نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کی ایک خاتون ہی کا فرزند ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی"[1] آپؐ گھر میں جھاڑو دے لیتے، اونٹ باندھتے، ان کو چارہ دیتے، گھر کی خادمہ کے ساتھ کھانا کھا لیتے، اور آٹا گوندھنے میں اس کی مدد کر دیتے، اور بازار سے خود سودا سلف لے آیا کرتے تھے۔

آپؐ کو اگر کسی شخص کے متعلق ایسی بات معلوم ہوتی جو آپؐ کو ناپسند ہوتی تو یہ نہ فرماتے کہ فلاں صاحب ایسا کیوں کرتے ہیں؟ بلکہ یوں کہتے، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسے افعال ان سے سرزد ہوتے ہیں، یا ایسی باتیں زبان سے نکالتے ہیں، اس طرح نام لئے بغیر اس فعل سے روکتے۔

آپؐ کمزور و بے جان جانوروں، اور چوپایوں پر شفقت فرماتے، اور ان کے ساتھ

---

[1] ابن ماجہ، کتاب الأطعمۃ۔

نرمی کا حکم فرماتے تھے، فرماتے کہ "اللہ تعالٰے نے ہر چیز کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے اور نرم برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے، اس لئے اگر قتل بھی کرو تو اچھی طرح کرو، ذبح کرو تو اچھی طرح کرو، تم میں سے جو ذبح کرنا چاہے، وہ اپنی چھری پہلے تیز کرلے، اور اپنے ذبیحہ کو آرام دے" اور فرمایا کہ: "ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو، ان پر سواری کرو تو اچھی طرح، ان کو کھاؤ تو اس حالت میں کہ وہ اچھی حالت میں ہو" خادم، نوکر اور مزدور و غلام کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے، اور فرماتے "جو تم کھاتے ہو، وہی ان کو کھلاؤ، جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ، اور اللہ تعالٰے کی مخلوق کو عذاب میں مبتلا نہ کرو، جن کو اللہ تعالٰے نے تمہارے ماتحت کیا ہے، تمہارے بھائی، تمہارے خادم و مددگار ہیں جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو اس کو چاہیئے کہ جو خود کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے، جو خود پہنتا ہے وہی اس کو پہنائے، ان کے سپرد ایسا کام نہ کرو، جو ان کی طاقت سے باہر ہو، اگر ایسا کرنا ہی پڑے تو پھر ان کا ہاتھ بٹاؤ"۔

ایک اعرابی آپؐ کے پاس آیا اور پوچھا کہ میں اپنے نوکر کو ایک دن میں کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آپؐ نے فرمایا "ستر مرتبہ"! اور فرمایا: "مزدور کو اس کی مزدوری، اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو"۔[1]

شمائل نبوی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

ازل سے فطرت انسانی یہ ہے کہ انسان اپنے محبوب و محترم ہستی کی ان عادات و خصائل

---

[1] تلخیص از "نبی رحمت" ج ۲ ص ۱۷۷-۲۰۹ یہ ساری روایتیں صحاح و سنن سے منقول ہیں، اور اصل کتاب میں ان کے حوالہ جات موجود ہیں۔

کو بھی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کا نہ وہ شرعاً مکلف ہے، نہ قانوناً پابند، محبت کا آئین سب سے نرالا ہے، مُحبِ صادق میں اپنے محبوب کے عادات و خصائل، اس کی محبوب و مرغوب چیزوں، اور اس کے مقابلہ میں اس کی ناپسندیدہ چیزوں، اور اطوار و عادات کے تحقیق کرنے کی خواہش اور فکر ہوتی ہے، اور وہ اس کی نشست و برخاست، چال ڈھال، لباس و پوشاک، اور ان چیزوں سے بھی واقف ہونا چاہتا ہے، جو ضابطہ و قانون میں نہیں آتیں۔

یہی وہ محرک تھا جس کی بناء پر علماء نے زمانۂ قدیم میں بھی شمائل نبوئی کے موضوع پر وسیع و عظیم کتابیں لکھیں، اور آج بھی اس کا سلسلہ جاری ہے، ان کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت و قبولیت امام ترمذی کی کتاب شمائل کو حاصل ہوئی[1]، ذیل میں اسی کتاب سے مختصراً شمائل نبوی۔ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ پیش کئے جارہے ہیں:۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا نشیب میں اتر رہے ہیں، جب کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے، آپؐ کی نظر نیچی رہتی تھی، آپؐ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی آپؐ کی عادت شریفہ عموماً گوشۂ چشم سے دیکھنے کی تھی، چلنے میں آپ صحابہ کو اپنے آگے کر دیتے تھے، اور آپ پیچھے رہ جاتے تھے، جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتدا فرماتے۔

آپؐ کے بال نصف کانوں تک تھے، اور ان پٹھوں سے جو کان کی لو تک ہوا کرتے ہیں، زیادہ تھے، اور ان سے کم تھے، جو مونڈھوں تک ہوتے ہیں، یعنی نہ زیادہ لانبے تھے

---

[1] مشہور مورخ و سیرت نگار و مفسر حافظ ابن کثیر کی بھی اس موضوع پر مستقل تصنیف "شمائل الرسولؐ" کے نام سے ہے۔

نہ چھوٹے بلکہ متوسط درجہ کے۔

آپؐ نے مانگ بھی نکالی ہے، سر مبارک میں کثرت سے تیل استعمال فرماتے تھے، اور بکثرت داڑھی میں کنگھی کرتے، جب وضو فرماتے، یا کنگھی کرتے، یا پاپوش کو عزت بخشتے تو داہنی طرف سے ابتدا کرنا پسند فرماتے، آپؐ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے ہر رات کو تینؔ بار ایک آنکھ میں اور تینؔ بار دوسری آنکھ میں سرمہ لگایا کرتے، لباس میں کرتا سب سے زیادہ پسند تھا، جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو (اظہار مسرت کے طور پر) اس کا نام لیتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ کرتا مرحمت فرمایا، ایسے ہی عمامہ، چادر وغیرہ پھر یہ دعا پڑھتے:۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ۔

اے اللہ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، اور اس کے پہنانے پر تیرا ہی شکر ہے، یا اللہ تجھی سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں، اور ان مقاصد کی خوبی چاہتا ہوں جن کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا اور اس کے شر سے، اور ان مقاصد کے شر سے جن کے لئے یہ بنایا گیا تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور فرماتے کہ سفید کپڑوں کو اختیار کیا کرو، سفید کپڑا ہی زندگی کی حالت میں پہننا چاہیئے، اور سفید ہی کپڑوں میں مُردوں کو دفن کرنا چاہیئے، یہ بہترین لباسوں میں سے ہے، نجاشی نے آپؐ کی خدمت میں دو سیاہ سادے موزے بھیجے، آپؐ نے ان کو

پہنا اور وضو کے بعد ان پر مسح بھی فرمایا، اور ایسے جوتوں میں نماز پڑھی جن میں دوسرا چمڑا سلا ہوا تھا، اور یہ فرماتے کہ ایک جوتا پہن کر کوئی نہ چلے' یا دونوں پہن کر چلے، یا دونوں نکال دے' بائیں ہاتھ سے کھانے' یا صرف ایک جوتا پہن کر چلنے سے آپؐ منع فرماتے تھے' اور فرماتے' جوتا پہنو تو پہلے داہنا پیر ڈالو، اور اتارو تو پہلے بایاں پیر نکالو" آپؐ نے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے' اور ایک انگوٹھی بنوائی جس کا نقش یہ تھا' محمدؐ ایک سطر میں' رسول دوسری سطر میں' اور اللہ تیسری سطر میں' اور جب بیت الخلا جاتے تو انگوٹھی اتار دیتے۔

آپؐ فتح مکہ کے موقعہ پر جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں' تو سر پر سیاہ عمامہ تھا، عمامہ جب پہنتے تو اس کا شملہ دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈال لیتے، حضرت عُبید بن خالد المحاربیؓ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ جا رہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو اپنے پیچھے سے یہ کہتے سنا کہ لنگی اوپر کو اٹھاؤ، میں نے کہنے والے کی طرف متوجہ ہو کر دیکھا تو وہ حضور رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے، میں نے عرض کیا کہ حضور یہ ایک معمولی سی چادر یہ ہے (اس میں کیا تکبر ہو سکتا ہے) آپؐ نے فرمایا کہ "تمہارے لئے میرا اسوہ نہیں ہے؟" (میں نے آپؐ کے ارشاد پر) آپ کی لنگی کو دیکھا تو آدھی پنڈلیوں تک تھی۔

آپؐ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے' اور فرماتے تھے کہ میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا اور (کھانے سے فراغت پر) تین مرتبہ اپنی انگلیاں چاٹتے تھے' آپؐ نے نہ کبھی کھانا چوکی پر تناول فرمایا[1] نہ چھوٹی طشتریوں میں[2]' اور نہ کبھی آپؐ کے لئے پتلی روٹیاں (چپاتی کی طرح) پکائی گئیں'

---

[1] اس طرح کہ آپ نیچے تشریف رکھتے ہوں' اور کھانا چوکی پر رکھا ہوا ہو۔ [2] جو محض زینت اور تکلف کے طور پر ہوتی ہیں۔

حضرت قتادہؓ سے پوچھا گیا، کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر تناول فرماتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دسترخوان پر۔ آپؐ کو کدو لوکی مرغوب تھی، اور حلوہ اور شہد بھی مرغوب خاطر تھا، گوشت میں دست کا گوشت پسند کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ بات نہیں تھی کہ دست کا گوشت آپؐ کو سب سے زیادہ پسند ہو بلکہ آپؐ کو کبھی کبھی گوشت میسر آتا تھا، اور یہ جلدی گل جاتا ہے، اس لئے یہ پسند تھا، تاکہ جلدی سے فارغ ہو کر اپنے مشاغل عالیہ میں مصروف ہوں، اور اسی طرح آپؐ کو ہانڈی اور پیالہ کا بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔

آپؐ فرماتے تھے کہ "جو شخص بغیر خدا کا نام لئے کھانا کھاتا ہے، اس کے ساتھ شیطان شریک ہوتا ہے" اور یہ بھی فرمایا، "اگر کوئی کھانا شروع کر دے، اور بسم اللہ کہنا بھول جائے تو یوں کہہ لے :۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ۔	اللہ کے نام سے اس کے شروع میں (بھی) اور آخر میں (بھی)۔

کھانے سے فراغت پر فرماتے تھے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔	اس خدا ہی کی تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا۔

اور جب سامنے سے دسترخوان اٹھا دیا جاتا تو فرماتے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا۔	اللہ تعالیٰ کی بہت، اچھی اور بابرکت حمد ہے، وہ اللہ جس سے نہ بے نیاز ہوا جا سکتا ہے، نہ اس کو خیرباد کہا جا سکتا ہے

وہ ہمارا پروردگار ہے۔

اور فرماتے کہ "اللہ تعالےٰ اس سے خوش ہوتا ہے کہ بندہ کچھ کھائے اور کچھ پیئے، تو اس پر اللہ کی حمد و ثنا کرے"۔

آپؐ کو سب سے پسندیدہ مشروب ٹھنڈا اور میٹھا پانی تھا، اور فرماتے کھانے اور پانی کا بدل دودھ کی طرح کوئی چیز نہیں، آپؐ نے زمزم کھڑے ہو کر پیا، اور پانی تین سانس میں نوش فرماتے تھے۔

آپؐ کے پاس ایک عطردان تھا جس میں سے عطر لگایا کرتے تھے، اور عطر (اگر کوئی ہدیۃً پیش کرتا) رد نہیں کرتے تھے، اور یہ فرماتے تھے کہ تین چیزیں رد نہیں کرنی چاہئیں، تکیہ، تیل، خوشبو، اور دودھ، اور فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو پھیلتی ہوئی ہو، اور رنگ غیر محسوس ہو، اور زنانہ خوشبو وہ ہے جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی، بلکہ صاف صاف، ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا کہ پاس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے، اور (بعض مرتبہ) کلام کو (حسب ضرورت) تین تین مرتبہ دہراتے تاکہ آپؐ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں، اور آپؐ کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا، عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا، اور بعض اوقات آپؐ اس طرح بھی ہنسے کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے، جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے مسلمان ہونے کے بعد سے کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے تھے تو تبسم فرماتے تھے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ میل جول اور مزاح فرماتے تھے، چنانچہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، حضورؐ اس سے فرماتے "یا ابا عمیر ما فعل النغیر؟ (ارے ابو عمیر وہ چڑیا کا بچہ کہاں گیا[1]) صحابہ کرامؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضورؐ آپ ہم سے خوش مزاجی بھی فرمالیا کرتے ہیں، ارشاد فرمایا، ہاں، مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا آپؐ مثال کے طور پر کبھی حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شعر بھی پڑھتے تھے، اور کبھی کسی اور شاعر کا، چنانچہ کبھی طرفہ کا یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے۔ ع

ویاتیک بالاخبار من لم تزود

(یعنی تمہارے پاس کبھی وہ بھی خبریں لے کر آتا ہے جس کو تم نے کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا۔)

اور کبھی فرماتے کہ سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے، وہ لبید بن ربیعہ کی یہ بات ہے۔

الا کل شئ ما خلا اللہ باطل

(آگاہ ہو جاؤ، اللہ جل شانہ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔)

ایک مرتبہ ایک پتھر آپؐ کی انگلی میں لگ گیا، جس کی وجہ سے وہ خون آلود ہو گئی تھی، تو حضور نے یہ شعر پڑھا ؎

هل أنتِ الا اصبع دميت — وفی سبيل الله ما لقيت[2]

---

[1] ابو عمیر کے پاس ایک چڑیا کا بچہ تھا، جس کو پنجرہ میں بند کر رکھا تھا، اور اس سے کھیلتے تھے، وہ مر گیا تو آپ نے مزاحاً یہ فرمایا۔ [2] اس شعر کے بارے میں بظاہر یہ اشکال ہے کہ قرآن پاک میں آپ کی توصیف میں فرمایا گیا ہے "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ" (یٰس۔ ۶۹) (باقی صفحہ پر)

(تو ایک انگلی ہے جس کو اس کے سوا کوئی مضرت نہیں پہونچی کہ خون آلود ہوگئی، اور (یہ رائگاں نہیں گیا، بلکہ) اللہ کی راہ میں یہ تکلیف پہونچی۔)

اور جنگ حُنین کے موقعہ پر آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے:۔

انا النبی لا کذب وانا ابن عبد المطلب

(میں بلا شک وشبہ نبی ہوں، اور میں عبد المطلب کی اولاد ہوں)

آپؐ نے شعر پڑھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی، اور اس پر انعام بھی دیا[1]، اور اس کو پسند بھی فرمایا، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سَوؔ سے زیادہ مجلسوں میں بیٹھا ہوں، جن میں صحابہ اشعار پڑھتے تھے، اور جاہلیت کے زمانہ کے قصے اور واقعات نقل کرتے تھے، اور آپؐ (ان کو روکتے نہیں تھے) خاموشی سے سنتے تھے، بلکہ کبھی کبھی ان کے ساتھ تبسم بھی فرماتے تھے، حضرت حسّان بن ثابتؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے، تاکہ اس پر کھڑے ہوکر حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں مدحیہ اشعار پڑھیں، اور آپؐ کی طرف سے مدافعت کریں، اور یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالےٰ شانہ روح القدس کے ذریعہ حسّان کی مدد فرماتے ہیں، جب تک وہ دین کی طرف سے دفاع، یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے جواب دیتے رہیں۔

(باقی ص۱۸۳ کا) اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ زبان پر موزوں کلام کا جاری ہوجانا اس کے منافی نہیں، دوسری بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ یہ دوسرے کا شعر ہے جس کو آپ نے بطور استشہاد اس موقعہ پر پڑھا۔

[1] آپؐ نے کعب بن مالکؓ کا قصیدہ سنا، اور ان کو چادر عنایت فرمائی۔

اور جب آپ آرام فرمانے کا ارادہ فرماتے تو داہنا ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے، اور پھر فرماتے :-

رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ	اے میرے رب جب تو اپنے بندوں کو اٹھائیگا، تو اپنے عذاب سے مجھے محفوظ رکھنا۔

اور جب بستر پر تشریف لے جاتے تو فرماتے :-

اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى	اے اللہ آپ ہی کے نام پر میں مروں اور زندہ رہوں

اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ.	اس خدا کی تمام تعریفیں ہیں، جس نے مارنے کے بعد ہم کو جلایا، اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

آپؐ کا بستر جس پر استراحت فرماتے تھے، چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، آپؐ مریض کی عیادت کرتے، اور جنازہ میں شریک ہوتے تھے، غلام کی بھی دعوت قبول فرماتے، آپؐ نے ایک پرانے پالان پر سوار ہو کر حج فرمایا، جس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار درہم کا بھی نہیں ہوگا، اور فرماتے کہ اگر مجھے بکری کا ایک پر بھی دیا جائے تو میں قبول کرلوں، اور اس کی دعوت کی جائے تو میں ضرور جاؤں، اور آپؐ کی عادت شریفہ تھی کہ ناگوار بات کو رُو در رُو منع نہیں فرماتے تھے، آپؐ ہدیہ قبول فرماتے اور اس پر بدلہ بھی دیتے تھے، شرم وحیا میں آپؐ اس کنواری لڑکی سے بھی

(جو اپنے پردہ میں ہو) بہت بڑھے ہوئے تھے، اور جب کوئی بات ناگوار خاطر ہوتی، تو چہرہ سے فوراً پہچان لی جاتی۔[1]

---

[1] متن امام ترمذی کی کتاب "الشمائل" سے لیا گیا ہے، ترجمہ اور بعض الفاظ کی توجیہ و تشریح میں خصائل نبوی ترجمہ و شرح شمائل ترمذی از شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی سے مدد لی گئی ہے، مصنف علام کی مدینہ منورہ میں غرہ شعبان ۱۴۰۲ھ میں وفات حسرت آیات کے بعد یہ اس فصل کا اضافہ کیا گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

تہذیب اخلاق، اور تزکیۂ نفس کی ربّانی تربیت گاہ

روحانی امراض اور نفس کے شرور کے زہر کا تریاق

ہم یہاں چند آیات اور احادیث ذکر کرتے ہیں، جو تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس کی بنیادی تعلیمات وہدایات، نفس کے شرور وفتن، شیطان کے مکر وکید، اور روحانی امراض کے زہر کا تریاق اور بہترین علاج ہیں، اور اپنی قوت وتاثیر میں بے مثل ہیں کیونکہ یہ حکیم وعلیم، دانا وبینا کا کلام اور انسانوں کے خالق اور ان کے قلوب ونفوس کے صانع وفاطر کے بیان کردہ احکام واصول ہیں، جس کا ارشاد ہے:۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ، وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۔ (الملک۔ ۱۴)

بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے، وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا، اور ہر چیز سے آگاہ ہے۔

اور یہ اس نبی معصوم کی تعلیمات وہدایات ہیں، جس کو اللہ تعالٰی نے "تزکیۂ نفس، تعلیم کتاب، اور حکمت" کے لئے مبعوث فرمایا، اور جس کا اپنے بارے میں خود ارشاد ہے:۔

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ۔

میرے رب نے میری تربیت فرمائی، اور بڑی اچھی تربیت فرمائی۔

ان تعلیمات و ہدایات کی جو شخص بھی پابندی کرے گا، اور سنجیدگی و عزیمت اور اخلاص و امانت کے ساتھ ان کا لحاظ و اہتمام کرے گا، وہ تہذیب اخلاق، اور تزکیۂ نفس کے گوہر مقصود کو پائے گا، ایک فرد اگر ان کی پابندی اور اہتمام کرے گا تو سعادت و طہارت اور بلند روحانی مراتب پر فائز ہوگا، اور اگر پورا معاشرہ ان کو اصول و معمول بنائے گا تو وہ مثالی معاشرہ بن جائے گا۔

اخلاص

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (البیّنۃ۔ ۵)	اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ خدا کی عبادت کریں اور یکسو ہو کر، اور نماز پڑھیں، اور زکوٰۃ دیں، اور یہی سچا دین ہے۔
اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ (الزمر۔ ۳)	دیکھو خالص عبادت خدا ہی کے لئے (زیبا ہے)۔

سچی توبہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ (التحریم۔ ۸)	مومنو! خدا کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔

صبر و تحمّل اور عفو و درگذر

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ	اور جو صبر کرے اور قصور معاف کردے

عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (الشوریٰ۔۴۳) تو یہ ہمت کے کام ہیں۔

خداتعالےٰ کا استحضار

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۝ اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے

(الحدید۔۴) ساتھ ہے۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور

الصُّدُوْرُ ۝ (غافر۔۱۹) جو باتیں سینوں میں پوشیدہ ہیں ان کو بھی۔

تقویٰ اور قول و عمل میں استقامت

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ مومنو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے

تُقٰتِهٖ۔ (آل عمران۔۱۰۲) ڈرنے کا حق ہے۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ مومنو! خدا سے ڈرو، اور بات سیدھی

وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ (الاحزاب۔۷۰) کہا کرو۔

یقین و توکل

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اور خدا ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا

(ابراہیم۔۱۱) چاہیئے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِىْ لَا يَمُوْتُ۔ اور اس (خدائے) زندہ پر بھروسہ رکھو

(الفرقان۔۵۸) جو کبھی نہیں مرے گا۔

استقامت

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ۔	(اے پیغمبرؐ) جیسا تم کو حکم ہوتا ہے
(ہود۔ ۱۱۲)	اس پر قائم رہو۔
اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ	جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار
اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ	خدا ہے پھر وہ اس پر قائم رہے تو
یَحْزَنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ	ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک
خٰلِدِیْنَ فِیْہَا جَزَآءً بِمَا کَانُوْا	ہوں گے یہی اہل جنت ہیں کہ ہمیشہ اس میں
یَعْمَلُوْنَ ۝	رہیں گے یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ کیا
(الاحقاف۔ ۱۳۔ ۱۴)	کرتے تھے۔

کتاب و سنّت کو مضبوطی سے تھامے رہنا

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ	اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف
اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔	واقع ہو تو اس میں خدا اور اس کے
(النساء۔ ۵۹)	رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔
وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ	سو جو چیز تم کو پیغمبرؐ دیں وہ لے لو، اور
عَنْہُ فَانْتَہُوْا (الحشر۔ ۷)	جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔

اللہ اور اس کے رسول کی محبت

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ	لیکن جو ایمان والے ہیں، وہ تو خدا ہی کے

حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرہ ۔ ۱۶۵)	سب سے زیادہ دوست دار ہیں ۔
قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ	کہدو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور
وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ	بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی
وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ	اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ	مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات
تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ	جن کو تم پسند کرتے ہو، خدا اور اس کے
وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ	رسولؐ سے اور خدا کی راہ میں جہاد
فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ	کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو
(التوبہ ۔ ۲۴)	ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ خدا اپنا حکم
	(یعنی عذاب) بھیجے ۔

تقویٰ اور نیکی کے کاموں میں تعاون

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠	اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں
وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠	میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، اور گناہ اور
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ	ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرتے
الْعِقَابِ ۝ (المائدہ ۔ ۲)	رہو، کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے ۔

اسلامی اخوت و بھائی چارگی

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ۔ (الحجرات ۔ ۱۰)	مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔

امانت کی ادائیگی

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء۔۵۸)	خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں ان کے حوالہ کر دیا کرو۔

لوگوں میں مصالحت اور مفید و خیر کے کام

لَا خَيْرَ فِىْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ (النساء۔۱۱۴)	ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں ہاں اس شخص کی مشورت اچھی ہو سکتی ہے جو خیرات یا نیک باتوں یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (الانفال۔۱)	تم خدا سے ڈرو، اور آپس میں صلح رکھو۔

نرم خوئی، مدارات و تواضع

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (الحجر۔۸۸)	اور مومنوں سے خاطر اور تواضع سے پیش آنا۔
فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحیٰ۔۹۔۱۰)	تو تم بھی یتیم پر ستم نہ کرنا، اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا۔

اسوۂ نبوی کا اتباع

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ	اے (پیغمبر لوگوں سے) کہدو کہ اگر تم خدا کو
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ	دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○	خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا، اور تمہارے
(آل عمران۔ ۳۱)	گناہ معاف کر دے گا، اور خدا بخشنے والا
	مہربان ہے۔

امید و بیم اور خوف و رجا

وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○ (البقرہ۔ ۴۰)	اور مجھی سے ڈرتے رہو۔
قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى	(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں سے)
اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ	کہدو کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی
اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ	جانوں پر زیادتی کی ہے خدا کی رحمت سے
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○	ناامید نہ ہونا خدا تو سب گناہوں کو بخش
(الزمر۔ ۵۳)	دیتا ہے اور وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔
فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ	(سن لو) کہ خدا کے داؤ سے وہی لوگ
الْخٰسِرُوْنَ ○ (الاعراف۔ ۹۹)	نڈر ہوتے ہیں، جو خسارہ پانے والے ہیں۔
اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ	خدا کی رحمت سے بے ایمان لوگ ناامید
الْكٰفِرُوْنَ ○ (یوسف۔ ۸۷)	ہوا کرتے ہیں۔

زہد و قناعت

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ	مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق)
الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ	اور زینت ہیں اور نیکیاں جو باقی رہنے
عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝	والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے
(الکہف ۔ ۴۶)	پروردگار کے یہاں بہت اچھی، اور
	امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں۔
وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ	اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور
وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ	تماشہ ہے اور ہمیشہ کی زندگی کا مقام تو
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ (العنکبوت ۶۴)	آخرت کا گھر ہے، کاش یہ لوگ سمجھتے۔

ایثار و قربانی

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ	اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں
بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ (الحشر ۔ ۹)	خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔
وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ	اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش
مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝	اور حاجت ہے فقیروں اور یتیموں اور
(الدہر ۔ ۸)	قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔

کبر و غرور، فساد اور بگاڑ پھیلانے کی حرمت

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ	وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں

لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ (القصص۔۸۳)

کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام نیک تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

حسن اخلاق اور نفس پر قابو رکھنا

وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (آل عمران۔۱۳۴)

اور غصہ کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ۝ (الاعراف۔۱۹۹)

(اے محمدؐ) عفو اختیار کرو، اور نیک کام کرنے کا حکم دو، اور جاہلوں سے کنارہ کرلو۔

نیکوکاروں کی صحبت

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ (الکہف۔۲۸)

اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں ان کے ساتھ صبر کرتے رہو۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ (التوبہ۔۱۱۹)

اے اہلِ ایمان خدا سے ڈرتے رہو، اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔

مسلمان کے مسلمان پر حقوق

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ

مومنو کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے

مِنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (الحجرات - ۱۱)

ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو، ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات - ۱۲)

اے اہل ایمان بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں، اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تم تو ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور خدا کا ڈر رکھو، بیشک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (الاحزاب - ۵۸)

اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام (کی تہمت) سے جو انھوں نے نہ کیا ہو ایذا دیں تو انھوں نے بہتان

اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ	جب تم نے وہ بات سنی تھی تو مومن مردوں
وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا	اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک
هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝	گمان نہ کیا، اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح
(النور ـ ۱۲)	طوفان ہے۔

احادیث نبویؐ

تمام اعمال میں سلامتیٔ نیت اور خدا تعالیٰ سے ثواب کی امید کی اہمیت

۱۔ انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرٔ	اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی
مانوی فمن کانت هجرته الی الله	کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی
ورسوله فهجرته الی الله ورسوله	تو جس نے خدا اور رسول کی طرف ہجرت کی
ومن کانت هجرته الی دنیا یصیبها	اس کی ہجرت خدا اور رسول کی طرف
او امرأة ینکحها فهجرته الی ما هاجر	ہوگی، اور جس نے حصول دنیا، یا کسی عورت
الیه۔	سے نکاح کی خاطر ہجرت کی تو جس چیز
(متفق علیہ)	کے لئے ہجرت کی وہی معتبر ہوگی۔
۲۔ من صام رمضان ایمانا واحتسابا	جو خدا کے وعدوں پر ایمان رکھتے ہوئے
غفرله ما تقدم من ذنبه ومن قام	اور ثواب کی امید میں رمضان کے روزے
لیلة القدر ایمانا واحتسابا غفرله	رکھے گا، اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے

ماتقدم من ذنبہ — جو خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے

(بخاری شریف) — اور اس کے ثواب کی امید میں شب قدر

عبادت میں گزارے گا، اس کے پچھلے گناہ

معاف کر دیئے جائیں گے۔

ایمان کے شرائط اور حقیقی مسلمان کی صفات

۳۔ لایؤمن أحدکم حتی یکون ھواہ — تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک

تبعاً لما جئت بہ۔ — مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی

(حکیم ترمذی۔ خطیب بغدادی) — خواہشات میرے لائے ہوئے (دین)

کے تابع نہ ہو جائیں۔

۴۔ لایؤمن أحدکم حتی أکون أحبَّ — تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا

إلیہ من والدہ وولدہ والناس — جب تک کہ میں اسے اپنے والد، بیٹوں،

اجمعین۔ (بخاری شریف) — اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

۵۔ لایؤمن أحدکم حتی أکون أحبَّ — تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا

إلیہ من نفسہ۔ — جب تک کہ میں اس کے نزدیک اپنی ذات

(مسند احمد) — سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

۶۔ لایؤمن أحدکم حتی یحب لأخیہ — تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک

مایحب لنفسہ۔ — مومن نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنے بھائی

(متفق علیہ) — کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

٧۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، والمومن من أمنہ الناس علی دمائھم واموالھم۔ (ترمذی ونسائی)	مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنی جانوں اور مالوں کے متعلق اطمینان ہو۔
٨۔ لا یسلم عبد حتی یسلم قلبہ ولسانہ، ولا یومن حتی یأمن جارہ بوائقہ، قال الراوی وھو ابن مسعودؓ وما بوائقہ یارسول اللہ؟ قال: غشمہ وظلمہ۔ (احمد)	کوئی بندہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو جائیں، اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانیوں سے محفوظ نہ ہو۔ راوی یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دریافت کیا کہ بوائق سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ظلم و زیادتی۔
٩۔ من حُسنِ اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ۔ (مالک و احمد و ترمذی)	آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی ترک کر دے۔
١٠۔ ثلاث من الإیمان، الانفاق من الاقتار، وبذل السلام للعالم، والإنصاف من نفسک۔ (بزار)	تین چیزیں نتیجۂ ایمان ہیں، تنگ دستی کے باوجود خرچ کرنا، سلام کو رواج دینا اور اپنے معاملہ میں (بھی) انصاف سے کام لینا۔
١١۔ لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین	اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت نہیں،

لمن لاعهد له ثلاث من كنّ فيه
وجد حلاوة الإيمان أن يكون
الله ورسوله أحبّ إليه مما
سواهما وأن يحب المرء لا يحبه
إلا لله، وأن يكره أن يعود في
الكفر كما يكره أن يقذف في النار.
(متفق عليه)

اس شخص کا دین نہیں جو عہد کا پاس نہیں کرتا
تین فضیلتیں جس کے اندر ہوں گی، وہ
ایمان کی حلاوت کا مزا چکھے گا، یہ کہ
اللہ و رسول اس کو ان کے علاوہ سب سے
زیادہ محبوب ہوں، اور یہ کہ کسی سے
محض للہ فی اللہ محبت کرے، اور یہ کہ
کفر میں واپس جانا اس کے لئے اتنا ہی
گراں ہو جتنا آگ میں پھینکا جانا۔

١٢۔ الدين النصيحة (ثلاثاً) قلنا لمن؟
قال لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة
المسلمين وعامتهم۔
(مسلم)

دین خیر خواہی کا نام ہے (تین مرتبہ فرمایا)
ہم نے کہا کس کے لئے؟ فرمایا اللہ کے لئے،
اس کی کتاب کے لئے، اس کے رسول کے
لئے، مسلمانوں کے ائمہ و حکام کے لئے،
اور عوام کے لئے۔

١٣۔ آية المنافق ثلاث إذا حدّث
كذب وإذا وعد أخلف وإذا
ائتمن خان۔
(متفق عليه)

منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات
کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو
خلاف ورزی کرے، جب امانت رکھی
جائے تو خیانت کرے۔

١٤۔ إنّ الحياء من الإيمان۔
(متفق عليه)

شرم و حیاء ایمان ہی کی وجہ سے ہوتی
ہے۔

۱۵۔ اتق المحارم تکن اعبد الناس وارض بما قسم الله لک تکن اغنى الناس واحسن إلى جارك تكن مومنا و أحب للناس ما تحب لنفسك تكن مسلما، ولا تكثر الضحك، فإن كثرة الضحك تميت القلب۔ (ترمذی)	محرمات سے بچو تم بندگی میں سب سے افضل ہو گے، اور خدا تعالیٰ نے جو تمہاری قسمت میں لکھ دیا اس پر راضی رہو، تم سب سے بے نیاز رہو گے، اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو، تم مومن ہو گے، جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، وہی دوسروں کے لئے پسند کرو تم مسلمان ہو جاؤ گے، اور زیادہ نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

مسلمان معاشرہ جو نبوی تعلیمات وارشادات پر قائم ہے

۱۶۔ ألا ان المسلم أخو المسلم، فليس يحل لمسلم لأخيه شئ إلا ما أحل من نفسه۔ (ترمذی)	سن لو کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے لہذا جو معاملہ اپنے ساتھ جائز ہو وہی کسی دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ جائز ہو گا۔
۱۷۔ لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا يبيع بعضكم على بيع بعض، وكونوا عباد الله اخوانا، المسلم أخو المسلم لا يظلمه، ولا يخذله، ولا يحقره،	آپس میں حسد نہ کرو، خرید و فروخت میں دھوکہ نہ دو، بغض نہ کرو، اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو، کسی کی فروخت پر اپنی فروخت نہ کرو، اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے،

التقویٰ ھٰھنا ویشیر إلی صدرہ	نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو
ثلاث مرات، بحسب امرئ من	بے یار و مددگار چھوڑتا ہے نہ اس کو حقارت
الشرأن یحقر أخاہ المسلم، کل	سے دیکھتا ہے، تقویٰ یہاں ہے،
المسلم علی المسلم حرام، دمہ،	(سینہ کی طرف اشارہ فرما کر تین بار
ومالہ، وعرضہ۔	یہ فرمایا) آدمی میں شر کے لئے اتنا ہی کافی
(مسلم شریف)	ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے
	ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال
	آبرو حرام ہے۔
۱۸۔ لا یحل لرجل أن یھجر أخاہ فوق	کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ
ثلاث لیال، یلتقیان فیعرض ھٰذا	اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے
ویعرض ھٰذا، وخیرھما الذی	رکھے، دونوں ملیں لیکن یہ بھی منہ پھیر لے
یبدأ بالسلام۔	وہ بھی منہ پھیر لے ان دونوں میں بہتر
(بخاری شریف)	وہ ہے جو سلام کی ابتدا کرے۔
۱۹۔ المومن مرآۃ المومن، والمومن	مومن مومن کا آئینہ ہے، اور مومن مومن
أخو المومن یکف علیہ ضیعتہ	کا بھائی ہے اس کی زمین کی حفاظت
ویحوطہ من ورائہ۔	کرتا ہے اور اس کے پس پشت اس کی
(ابوداؤد)	دیکھ بھال کرتا ہے۔
۲۰۔ الا أخبرکم بأفضل من درجۃ الصیام	کیا تم کو روزہ اور نماز اور صدقات
والصلاۃ والصدقۃ، قالوا، بلیٰ	کے مقام سے بھی بلند مرتبہ کام بتاؤں؟

یارسول الله! قال: إصلاح ذات البین، وفساد ذات البین هی الحالقة.
(ابوداؤد)

صحابہؓ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسولﷺ! آپؐ نے فرمایا: تعلقات کی اصلاح کرنا، اور تعلقات کا بگاڑ ہی (دین کو) مونڈ دینے والا ہے۔

۲۱۔ لا تحقرنّ من المعروف شیئاً ولو أن تلقی أخاك بوجه طلق.
(مسلم)

معمولی سی بھلائی کو بھی خواہ وہ اپنے بھائی سے خوش روئی و خندہ پیشانی سے ملاقات ہی کیوں نہ ہو حقیر نہ سمجھو۔

۲۲۔ تری المومنین فی تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم کمثل الجسد، اذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی۔
(متفق علیہ)

ایمان والوں کو ان کی آپس کی شفقت، محبت والفت، اور ہمدردی میں ایک جسم جیسا پاؤگے کہ اگر اس کے کسی عضو میں تکلیف ہو تو سارے اعضاءِ جسم تپ اور بے خوابی میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

۲۳۔ الخلق عیال الله، فأحبُّ الخلق إلی الله من أحسن إلی عیاله۔
(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

مخلوق اللہ کی عیال ہے تو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب مخلوق وہ ہے، جو اس کے عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

۲۴۔ مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت أنه سیورثه۔
(صحیحین، ابوداؤد، وترمذی)

جبرئیل علیہ السلام پڑوسی کے بارے میں مجھے اس قدر وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ اس کو وارث بھی بنادیں گے۔

۲۵۔ الراحمون یرحمھم الرحمٰن، ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء۔ (ترمذی وابوداؤد)

رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحمت بھیجتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

مُہلک اعمال واخلاق اور جنت میں داخلہ کے موانع

۲۶۔ لا یدخل الجنة قاطع رحم۔ (صحیحین، ابوداؤد، وترمذی)

جنت میں رشتوں ناطوں کا توڑنے والا داخل نہیں ہوگا۔

۲۷۔ لا یدخل الجنة نمّام وفی روایة قتّات۔ (متفق علیہ)

جنت میں چغل خور نہ جائے گا۔

۲۸۔ ایاکم والحسد، فإن الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب۔ (ابوداؤد)

حسد سے بچو کیونکہ وہ نیکیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو۔

۲۹۔ دبّ إلیکم داء الأمم قبلکم الحسد والبغضاء ھی الحالقة، لا اقول تحلق الشعر، ولکن تحلق الدین۔ (ترمذی واحمد)

گذشتہ قوموں کی بیماری حسد وبغض تمہیں بھی لگ گئی، یہ مونڈ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بال مونڈ دیتی ہے، بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔

۳۰۔ ما ذئبان جائعان أرسلا فی غنم بأفسد لھا من حرص المرء علی المال والشرف لدینه۔ (ترمذی واحمد)

دو بھیڑیئے جن کو بکریوں میں ڈال دیا جائے، اتنا ان کو نقصان نہیں پہونچائیں گے، جتنا مال وجاہ کی حرص ومحبت دین کو

نقصان پہونچاتی ہے۔

فضائل ومکارم اخلاق، اور تقویٰ وعقلمندی کے تقاضے

۳۱۔ أمرني ربي بتسع: خشية الله في السر والعلانية، وكلمة العدل في الرضا والغضب، والقصد في الفقر والغنى، وأن أصل من قطعني، وأعطي من حرمني، وأعفو عمن ظلمني، وأن يكون صمتي فكراً ونطقي ذكراً ونظري عبرةً، وآمر بالمعروف۔

(رزین)

میرے رب نے مجھے ۹ باتوں کا حکم کیا ہے: کھلے اور چھپے اللہ سے ڈروں، رضامندی اور ناراضگی میں انصاف کی بات کہوں، تنگ دستی وخوش حالی میں میانہ روی اختیار کروں، جس نے مجھ سے توڑا اس سے جوڑوں، جس نے محروم رکھا اس کو دوں، جس نے ظلم کیا اس سے درگذر کروں، اور میری خموشی غور وفکر ہو، میری گویائی ذکر ہو، میری نگاہ نگاہ عبرت ہو، اور میں بھلائی کی وصیت کروں۔

۳۲۔ ليس الواصل بالمكافئ، ولكن الواصل من إذا قُطعت رحمه وصلها۔

(بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

رشتہ جوڑنے والا وہ نہیں جو بدلہ میں رشتہ جوڑے، بلکہ رشتہ جوڑنے والا وہ ہے جس سے رشتہ توڑا جا رہا ہو اور وہ جوڑ رہا ہو۔

۳۳۔ أكمل المؤمنين إيماناً أحسنهم

کامل مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے

أخلاقاً وخياركم خياركم لنسائهم. (ترمذی)

بہتر ہے، اور تم میں بہتر وہ لوگ ہیں، جو اپنی عورتوں کے لئے بہتر ہیں۔

۳۴۔ إن المؤمن ليدرك بحسن خلقه درجة الصائم القائم۔ (ابوداؤد)

مومن حسن اخلاق سے ایسے روزہ دار کا مقام حاصل کر لیتا ہے جو برابر نماز پڑھ رہا ہو۔

۳۵۔ دَعْ ما يريبك إلى ما لا يريبك۔ (احمد و داری)

جس میں شک و شبہ ہو اس کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرو جس میں شک و شبہ نہ ہو۔

۳۶۔ استفت قلبك، البر ما اطمأنت إليه النفس واطمأنّ إليه القلب والإثم ما حاك في النفس وتردد في الصدر وإن أفتاك الناس وافتوك۔ (احمد و دارمی)

اپنے دل سے پوچھو، نیکی وہ ہے جس پر تمہارا قلب و ضمیر مطمئن ہو، اور گناہ وہ ہے، جو دل میں کھٹکے، اور جس میں تردد پیدا ہو، خواہ لوگ فتویٰ دیتے رہیں، اور فتویٰ دیتے رہیں۔

۳۷۔ اتق الله حيث ما كنت، واتبع السيئة الحسنة تمحها، وخالق الناس بخلق حسن۔ (احمد، ترمذی، دارمی)

جہاں کہیں بھی رہو خدا کا خوف ملحوظ رکھو، اور برائی (اگر ہو جائے) تو اس کے بعد نیکی کر لو، وہ اس کو مٹا دے گی، اور لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔

۳۸۔ من يضمن لي ما بين رجليه وما بين لحييه ضمنت له بالجنة۔ (بخاری و ترمذی)

جو اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان، اور اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان جو کچھ ہے، اس کی (حفاظت کی) ضمانت دے دے، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۳۹۔ من خاف أدلج، ومن أدلج بلغ المنزل، ألا ان سلعة الله غالية، الا ان سلعة الله الجنة۔ (ترمذی)	جس کو خوف ہوتا ہے، وہ رات میں چلتا رہتا ہے، اور جو رات میں چلتا رہتا ہے وہ منزل تک پہونچ جاتا ہے، سن لو کہ خدا کا سودا گراں ہے، خدا کا سودا جنت ہے۔
۴۰۔ من كانت الآخرة همه، جعل الله غناه فی قلبه، وجمع عليه شمله، واتت الدنيا وهی راغمة، ومن كانت الدنيا همه جعل الله فقره بين عينيه، وفرق عليه شمله، ولم يأته من الدنيا الا ما قدر له۔ (ترمذی)	آخرت جس کا محور فکر ہوتی ہے، خدا تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے، اس کا شیرازہ مجتمع کر دیتا ہے، اور دنیا ذلیل ہو کر اس کی خدمت میں آتی ہے، اور دنیا جس کی فکر کا مرکز ہوتی ہے، خدا تعالیٰ اس کی آنکھوں کے سامنے تنگ دستی کر دیتا ہے، اس کا شیرازہ بکھیر دیتا ہے، اور دنیا میں اس کو صرف وہی ملتا ہے جو مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔
۴۱۔ الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها، وتمنى على الله الأمانی۔ (ترمذی)	عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے، اور موت کے بعد کے لئے کام کرتا ہے، اور ناکارہ وہ ہے جو نفس کو خواہشات کے پیچھے لگائے رکھے، اور اللہ سے امیدیں لگائے بیٹھا رہے۔

اسلامی تمدن کی ضرورت واہمیت

اور مغربی تمدن سے اس کا تضاد

ایک ایسا دین اپنے مخصوص تمدن اور معاون ومتناسب ماحول کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، اور جو زندگی کو مخصوص عقائد وحقائق کے ذریعہ ایک خاص سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے، جس دین میں عبادات وفرائض کا ایسا نظام ہے، جو زندگی اور وقت کے ایک بڑے حصہ پر محیط ہے، اور ان کے لئے مخصوص شرائط وضوابط ہیں، نیز جو طہارت وعفت کا مخصوص تصور رکھتا ہے، اس کے یہاں طہارت نظافت کے، اور عفت صرف بڑے اخلاقی جرائم سے اجتناب کے مرادف نہیں، بلکہ ان سے کہیں زیادہ وسیع وعمیق اور ہمہ گیر ہے، اس دین اور اس کے متبعین کا خاص طور پر اس مغربی تمدن کے ساتھ گزارہ نہیں ہو سکتا، جس کا نشو ونما اور ارتقاء خاص تاریخی عوامل کے ماتحت کبھی خالص مادہ پرستانہ ماحول، اور بعض اوقات دشمنِ مذہب اور دشمنِ اخلاق فضا میں ہوا ہے، اور جس کی حقیقت اس کے ایک رمز شناس نے (جو اس کی تاریخ اور اس کے مزاج وطبیعت سے پوری طرح واقف تھا، اور اس کے مرکزوں میں رہ چکا تھا[1]) ایک مصرعہ میں بیان کر دی ہے۔ ع

---

[1] ڈاکٹر سر محمد اقبال مراد ہیں۔

کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

اسلامی تمدن میں عبادات کا پورا نظام طہارت سے مربوط ہے اور مغربی تمدن زیادہ سے زیادہ نظافت کے مفہوم سے آشنا ہے، اسلامی تمدن عفت نظر، عفت قلب، اور عفت خیال کا قائل اور داعی ہے، مغربی تمدن صرف قانونی اور زیادہ سے زیادہ عرفی حدود کا احترام کرتا ہے، اور اگر عرف، ماحول اور متعلق فریق کو اس پر اعتراض نہیں ہے، تو اس کے نزدیک کوئی فعل غیر مستحسن اور غیر عفیفانہ نہیں، اسلامی تمدن حجاب و تستر کا حامی ہے، اور وہ شریعت کی دی ہوئی اجازتوں اور استثناؤں کے دائرہ کے اندر شدت سے اس کا پابند ہے، مغربی تمدن حجاب و تستر کے ابتدائی حدود و مفہوم سے بھی نا آشنا ہو چکا ہے، اور اس نے اپنے آغاز سفر ہی میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اسلامی تمدن مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کا مخالف ہے، اور اس کو معاشرہ کے لئے مضر، اور بہت سی اخلاقی خرابیوں کا موجب سمجھتا ہے، مغربی تمدن، اس کو زندگی کی بنیاد اور ایک بدیہی حقیقت سمجھتا ہے۔

ان اصولی اختلافات کے علاوہ تصویر، کتے، مردوں کے لئے سونے چاندی اور ریشم کے استعمال، ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کا فرق، اور بہت سی جزئیات میں دونوں کے موقف اور نقطۂ نظر نہ صرف مختلف بلکہ متضاد ہیں، اسلام (خواہ کتنی ہی علمی تاویلیں کی جائیں) تصویر کو بنظر استحسان نہیں دیکھتا، اور شارع اسلام کو اس سے تنفر اور توحش تھا، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جس گھر میں تصویر، کتا اور مجسمے ہوتے ہیں، اس میں فرشتے نہیں آتے[1]، اور مغربی تمدن میں تصویر کے بغیر لقمہ توڑنا بھی

---

[1] صحیح بخاری کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں "إن الملائكة لا تدخل بيتاً فيه صورة" دوسری روایت میں
(باقی صفحہ ۲۱۰ پر)

مشکل ہے[1] اس کا قدرتی نتیجہ ہے کہ مغربی تمدن اختیار کر کے اسلام کے نظام طہارت وعفت، تستّر وحیا، سادگی واعتدال، اور سنت اور اسوۂ نبویہ کے راستہ پر باقی نہیں رہا جاسکتا۔

صرف مستقل طور پر مغربی تمدن اختیار کرلینے ہی سے یہ دشواریاں پیدا نہیں ہوتیں عارضی طور پر بھی اس زندگی اور ماحول میں تھوڑا سا وقت گذارنے کی حالت میں بھی یہ سب دشواریاں پیش آتی ہیں، اس کا اندازہ ان اعلیٰ ہوٹلوں یا قیام گاہوں میں قیام کرنے ہی سے ہوجاتا ہے، جن کی تشکیل وترتیب بالکل مغربی طرز پر ہوئی ہے، اوران میں (خواہ وہ مشرق وایشیا میں ہوں، یا ممالک عربیہ، حتیٰ کہ بلاد مقدسہ میں) طہارت کا اہتمام اور فرائض کی پابندی مشکل ہوجاتی ہے، اور بعض اوقات شریعت کے حدود سے تجاوز کرنا پڑتا ہے۔[2]

بنابریں عقائد، عبادات، سنن ومستحبات، اذکار ماثورہ واسلامی سیرت وعادات کے ساتھ (جن کا ضروری حد تک اس کتاب میں بیان آگیا ہے) کتاب کے قارئین کو اس کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ ان کے گھر اور ماحول میں اسلامی تمدن، اور اسلامی معاشرت کارفرما ہو، اور وہاں مغربی تمدن کی ان خصوصیات وشعائر، (عام اختلاط، بے حجابی، تصویر کے آزادانہ استعمال بالخصوص سنیما وٹیلی ویژن، نغمہ وسرود وموسیقی، کتّے کے

(باقی ص۲۰۹ کا) الفاظ آئے ہیں "لاتدخل الملائکۃ بیتًا فیہ کلب ولا صورۃ تماثیل" ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا "اِنّا لاندخل بیتًا فیہ صورۃ ولا کلب" (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق)

[1] اسی کی تقلید میں ممالک عربیہ میں بھی تصویر کا فتنہ اپنے شباب پر ہے، اور اس کے مفاسد کا مشاہدہ ہورہا ہے۔

[2] مصنف نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے، اور اپنے سفرناموں، اور تقریروں میں اس کا ذکر کیا ہے۔

مس وَلمس، مشتبہ ماکولات کے استعمال) سے امکانی حد تک دور رہا جائے، شرعی پردہ، حیا وتستر، طہارت کے انتظامات، پانی کے استعمال کی سہولت، سمت قبلہ کی واقفیت، کپڑوں اور استعمال کی چیزوں کی شرعی نظافت، بچوں کی دینی تعلیم، اور بچیوں کی دینی تربیت وتہذیب کا پورے تیقظ کے ساتھ اہتمام ہو کہ اس کے بغیر شرعی ومسنون طریقہ پر زندگی گزارنا تو الگ رہا، دینی فرائض کی ادائیگی بھی مشکل ہو جاتی ہے، مزید برآں کسی قوم کو اس کے مخصوص تہذیب وتمدن سے الگ کر دینا جو اس کے دین وشریعت کے سایہ میں پروان چڑھا ہے، اور مخصوص دینی ماحول میں اس کا نشوونما ہوا ہے، اسے کارزار حیات سے الگ، اور عقیدہ وعبادت، اور دینی رسوم تک محدود کر دینے، اور اس کے حال کو اس کے ماضی سے کاٹ دینے کے مرادف ہے، اس طرح وہ تدریجی طور پر اپنے بنیادی عقائد اور مسلک حیات سے بھی الگ ہو جاتی ہے، ذہنی وتہذیبی ارتداد کے راستہ پر پڑ جاتی ہے، اس میں وہی معاشرتی انارکی، خاندانی شیرازہ کی پراگندگی، اور اخلاقی جذام رونما ہوتا ہے، مے نوشی اور مسکرات کا آزادانہ استعمال شروع ہو جاتا ہے، جو مغرب میں اپنے شباب پر ہے، جس کا مشاہدہ آنکھ بند کر کے مغرب کی تقلید کرنے والے متعدد اسلامی ملکوں میں بھی ہو رہا ہے۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی تقاریر کا مجموعہ "أهمية الحضارة في تاريخ الديانات وحياة أصحابها" نیز مصنف کی کتاب مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش "کا باب" عالم اسلام کا مستقل مجتہدانہ کردار" اور اس کا عنوان "ممالک اسلامیہ میں تمدن کی اہمیت"۔

کچھ تجربے، کچھ مشورے

گذشتہ صفحات میں دین کے خاص مزاج، اور امتیازی خصوصیات، صحیح اسلامی اور سنی عقائد کی شرح و وضاحت، اسلام میں مشروع عادتوں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں اور عبادات میں آپؐ کا ذوق و طریقۂ کار، جہاد فی سبیل اللہ، اور اعلاء کلمۃ اللہ کی کوششوں میں آپؐ کا اسوہ وعمل، تہذیبِ اخلاق و تزکیۂ نفس کا قرآنی اور نبوی مفہوم اور کتاب وسنت کا اس موضوع کے ساتھ اہتمام اور پھر وہ اخلاق وشمائل نبوی اور سیرت طیبہؐ جس پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے، اور اصلاح و تربیت، مثالی فرد کو تیار کرنے، اور نفس کے فتنوں، شیطان کی چالوں، اور اخلاق واعمال کی خطرناک کمزوریوں سے حفاظت کے سلسلہ کی جو آیات قرآنی اور احادیث نبوی پیش کی گئیں، وہ ایک مسلمان کے لئے کافی وشافی ہیں، جس کو اپنی اصلاح و ترقی اور سعادت و فلاح کی حقیقی ومخلصانہ فکر ہو، اور وہ کسی فریبِ نفس میں مبتلا نہ ہو، اور ایمان واحسان کے بلند مقامات پر فائز ہونے کی خواہش وتمنا رکھتا ہو (اگر توفیق الٰہی یاوری کرے) تو ولایت عامّہ وخاصّہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کامل کے اعلیٰ ترین مراتب تک پہونچنے کا حوصلہ اس کے دل میں موجزن ہو۔۔۔۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (العنکبوت ـ ٦٩)	اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھادیں گے، اور خدا تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

شاید قارئین کو یہ خیال ہو کہ اس مختصر سی کتاب میں جو مضامین ذکر کئے گئے ہیں، وہ کوئی نئے نہیں بلکہ وہ عام معلومات ہیں، وہ سب کتاب الٰہی (جو ہر مسلمان کا وظیفۂ حیات ہے) اور حدیث نبوی (جو شائع و ذائع ہے) کے صفحات میں بکھرے ہوئے ہیں، اور قدیم وجدید مستند علماء کی کتابوں میں یہ سارے مضامین اگر یکجا نہیں، تو متفرق طور پر موجود ہیں، اور خود مصنف نے اس موضوع پر امام غزالیؒ کے دور سے اب تک لکھی جانے والی کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، اس لئے کتاب میں سوائے تلخیص و تسہیل اور جدید ذوق کی رعایت کے کوئی ندرت، کوئی نئی دریافت، یا کسی دفینہ کی نشاندہی نہیں، لہٰذا اس کتاب کے مضامین سے فائدہ اٹھانے، اور اس کی غرض و غایت تک پہونچنے، اور اس زندگی کو جو اپنے خاص انداز اور عادت کے مطابق ایک ڈھرّے پر چل رہی ہے، ایمان و احتساب اطاعت و انقیاد کی اس زندگی میں تبدیل کرنے کا جو ایمانی رنگ میں رنگی ہوئی اور اسلامی اخلاق سے آراستہ ہو، کیا طریقہ ہے؟ ایک مسلمان کہاں سے شروع کرے، اور کس چیز کو مقدم رکھے کہ خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہو، اور محسوس طور پر حالات میں خوش آئند تبدیلی رونما ہو جس سے اس کا قلب و ضمیر مطمئن ہوسکے اور جس کو اس کے ہم نشین صاف طور پر محسوس کریں۔

اسی مقصد کی خاطر اور اسی سوال کے جواب میں مندرجہ ذیل چند تجربے اور مشورے پیش کئے جارہے ہیں، امید ہے کہ کتاب کا سنجیدگی اور طلب صادق کے ساتھ مطالعہ کرنے والے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمت و عزیمت اور حقیقت پسندی اور خلوص کی دولت سے

نوازا ہے' ان سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکیں۔

سب سے پہلے یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ اس کتاب کو اپنی زندگی کا دستور العمل، اور اپنے عقائد و اعمال کا گائڈ و رہنما بنایا جائے' اس لئے نہیں کہ یہ کسی ایسے مجتہد اور محقّق عالم کی تصنیف ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنے اس خاص علم سے نوازا ہے (جس میں دوسروں کا حصہ نہیں) کیونکہ سرے سے یہ واقعہ نہیں ہے' مصنف اپنی حقیقت و بساط سے واقف ہے' بلکہ اس وجہ سے کہ یہ کتاب ان ضروری و بنیادی اصول و مبادئ دینی حقائق، اجماعی مسائل جن پر تمام مسلمان خاص طور پر اہل سنت والجماعت متفق ہیں' اور رسول اللہ۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کی سنتوں اور آپؐ کے اخلاق و شمائل پر مشتمل ہے جن کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے' اس لئے اس کتاب کا مطالعہ تفریح طبع، یا معلومات میں اضافہ یا مصنف کے بارے میں مہارت و کامیابی، یا بے بضاعتی و ناکامی کا فیصلہ کرنے کے لئے نہ کیا جائے۔

مصنف محترم قارئین کے ساتھ اس بارے میں اپنے کو بھی شریک کرتا ہے کیونکہ اس کتاب کے مضامین سے فائدہ اٹھانے کا وہ کچھ کم ضرورت مند نہیں ہے۔

۱۔ ہماری ابتداء اس سے ہونی چاہیئے جس سے خدا تعالےٰ نے اپنی نازل کردہ کتاب اور اس کے رسول ۔صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ نے دین اور تبلیغ و رسالت کا آغاز کیا' ہم کو سب سے پہلے عقائد کی اصلاح، اور قرآن پاک کی روشنی میں (جو عقیدہ میں کسی قسم کے فساد اور کمزوری کی گنجائش نہیں چھوڑتا) اپنے عقائد کا جائزہ لینا چاہیئے' کیونکہ قرآن ہی وہ صاف و شفاف آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنا چہرہ اور اپنے خط و خال واضح طور پر دیکھ سکتا ہے' پیش نظر کتاب میں محض خدا تعالےٰ کے فضل و انعام سے اس سب کا

خلاصہ وعطر آگیا ہے، جو قرآنی تعلیمات، نبوی تلقینات وہدایات، اُن علمائے اہلِ سنت کی تحقیقات کا نچوڑ ہیں، جو افراط و تفریط اور غلو و تحریف سے محفوظ ہیں۔

۲۔ مشروع عبادتوں، اور اسلام کے چاروں عملی ارکان کا ظاہری و باطنی اور جسمانی وروحانی طور پر پورا اہتمام کریں، اور اس بارے میں بقدرِ استطاعت حضور اکرم۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں، اور پوری ذمہ داری اور سنجیدگی کے ساتھ آپؐ کے طریقۂ عمل، آپؐ کے اُسوہ... اور سنتوں کو معلوم کریں، کیونکہ آپؐ ہی ان کا اعلیٰ ترین نمونہ، اور جامع و مکمل اسوہ ہیں، اور اللہ تعالےٰ نے آپؐ کی زندگی۔ چہ جائیکہ عبادات۔ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ	تم کو پیغمبرِ خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے
حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ	یعنی اس شخص کو جسے خدا سے ملنے اور
الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ٥	روزِ قیامت کے آنے کی امید ہو اور
(الاحزاب۔ ۲۱)	وہ خدا کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔

جس قدر ہم آپؐ کا اتباع کریں گے، اور جس قدر آپؐ کی تقلید و اتباع میں ہم کامیاب ہوں گے، اسی قدر ہماری عبادات کامل اور خدا تعالےٰ کے نزدیک مقبول و پسندیدہ ہوں گی، کتب حدیث اور صحیح احادیث کے مجموعوں نے آپؐ کی ان عبادات، دینی فرائض اور دعوت و جہاد کی چھوٹی بڑی بات، سنت، معمول اور عادت کا ایسا مکمل ریکارڈ رکھا ہے، جس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی۔

رسول اللہ۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کے اعمال اور آپؐ کے طریقہ کار کے مطابق عمل ہونے کے بعد ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ یہ عبادات، خاص طور پر نماز اپنی حقیقت سے

آراستہ، اور اپنی روح و طاقت سے معمور ہو تا کہ اخلاق و اعمال، اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں اس کے نتائج و اثرات ظاہر ہوں، اور وہ قرب الٰہی یقین و معرفت اور خدا کی محبت میں اضافہ کا طاقتور اور مؤثر ذریعہ ہو۔

۳۔ عقائد، فرائض اور حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا مسئلہ مقدم اور سب سے اہم ہے یہ بات محقق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق معاف کردے گا، لیکن بندوں کا اپنے حقوق و مطالبات کو معاف کرنا بندوں ہی کے اختیار میں ہے، بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ذمہ اپنے کسی (مسلمان) بھائی کا مطالبہ ہو، عزت و ناموس کی بات ہو، یا کسی اور قسم کی چیز[1] تو آج ہی اس دنیا میں اس سے صفائی کرلے، اس سے پہلے کہ جب نہ دینار ہوگا نہ درہم، اگر اس (مدعیٰ علیہ) کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے بقدر مدعی کے مطالبہ اور حق سے لیا جائیگا، اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کے گناہ اس مدعیٰ علیہ پر ڈال دیئے جائیں گے، مسلم کی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ شہید کے سب گناہ معاف ہوجائیں گے، سوائے قرض کے (کہ وہ اس پر باقی رہے گا) آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے اس کی خبر دی ہے، مسلم ہی کی ایک روایت میں آتا ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرام کی ایک مجلس میں سوال فرمایا کہ جانتے ہو کہ کنگال اور تہی دست کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں کنگال اور تہی دست اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ نقد ہو نہ سامان، آپؐ نے فرمایا: میری امت میں (صحیح معنی میں) مفلس (کنگال) وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ سب لے کر آئیگا، لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا تو ان کو قیامت میں اس کی نیکیاں

---

[1] مثلاً مالیات کا مسئلہ، جائداد، قرض وغیرہ۔

دے دی جائیں گی، جب نیکیاں بھی ختم ہو جائیں گی اور اس پر مطالبے باقی ہوں گے، تو اس کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، پھر وہ جہنم میں پھینک دیا جائیگا"۔[1]

اسی خطرہ سے بچنے اور اپنا حساب صاف رکھنے کے لئے صفائی معاملات کی ضرورت ہے، اس کے مسائل و احکام سے واقفیت اور اس میں اہتمام و احتیاط کی ضرورت ہے۔

ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں (جن کی تائید میں آیات قرآنی بھی ہیں) ہم کو غیر جانبدارانہ اور محتسبانہ انداز سے اپنے پچھلے اور موجودہ حالات و معاملات پر غور کرنا چاہئے، اگر کسی کا کوئی حق یا مطالبہ ہمارے ذمہ رہ گیا ہو، قرض ہو، بیع و شرا کا معاملہ ہو، مشترک جائداد کا قصہ ہو، ترکہ و میراث ہو، یا کسی مسلمان کی دل آزاری کی ہو، یا حق تلفی یا تہمت و غیبت، اسی دنیا میں اس کو صاف کر لینا چاہئے، یا تو اس کا حق دے دیا جائے، یا اس سے (برضا و رغبت) معاف کرا لیا جائے، باہمی معاملات و حقوق کے بارے میں ہم سے بڑی کوتاہی ہوتی ہے، اور اکثر وہ ہمارے ذمہ باقی رہ جاتے ہیں، احادیث مذکورہ کی روشنی میں یہ مسئلہ بڑا اہم اور پہلی فرصت میں قابلِ توجہ ہے۔

۴۔ اس کے بعد ہم تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس، قلب کو رذائل سے پاک کرنے اور محاسن سے مزین کرنے کی فکر کریں، اس لئے کہ اخلاق رذیلہ وہ دبیز پردے ہیں جو تعلیمات نبوی سے فائدہ اٹھانے اور "صبغۃ اللہ" میں رنگ جانے کی راہ میں حائل ہوتے ہیں، یہی انسان کو ہوا و ہوس کا شکار اور بازیچۂ شیطان بنا دیتے ہیں، یہی دینی خطرہ اور ہلاکت کا سبب بنتے ہیں، قرآن میں ارشاد ہے:۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ — بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے

---

[1] صحیح مسلم

ھدایۃ . (الجاثیۃ _ ۲۳) اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے۔

اس سلسلہ میں ہم کو کتاب وسنت اور تعلیمات نبوی کے معیار کا پابند ہونا چاہئے، اور نفس و اخلاق کے تزکیہ میں انہیں کے قول کو قول فیصل قرار دینا چاہئے۔

انسان خواہ کتنا ہی دور اندیش اور باریک بیں ہو، آئینہ ہی میں اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے، خوش بخت وہ ہے، جو اپنی کمزوریوں اور ان اخلاقی امراض سے جیسے کبر، حسد، حرص وطمع، بخل، کینہ، عداوت، دنیا کی محبت، دولت کے عشق اور ہوس، اور مسلمان کی تحقیر و دنائت جیسے اخلاق رذیلہ سے واقف ہو، اور ان کے ازالہ اور ان سے خلاصی کی فکر رکھتا ہو، اور ان سے اسی طرح نبرد آزما ہو جیسے اپنے جانی دشمن سے ہوتا ہے، اور وہ شخص بڑا قسمت ور اور خوش نصیب ہے، جس کو کوئی ایسا ربّانی عالم اور طبیب حاذق میسّر آجائے، جو اس کو متنبہ کرے، اور ان بعض اخلاقی کمزوریوں اور مخفی بیماریوں سے آگاہ کرے اور ان سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ تجویز کرے، اور اس کو آسان اور ممکن العمل بنا دے اس کا نور باطن مستفید و مریض میں سرایت کرے، اس کی صفات و خصوصیات کا اس پر پرتو پڑے اس کے محاسبہ نفس اور خوف و خشیت کو دیکھ کر وہ عبرت اور سبق حاصل کرے۔

قدیم زمانہ میں صحبت سب سے آسان طریقۂ علاج تھا، اور بڑے بڑے ائمۂ فن اور علماء خدا کے ایسے مخلص و ربانی بندوں کی تلاش میں رہتے تھے، خواہ وہ علم میں ان سے کم مرتبہ ہی کیوں نہ ہوں، کیوں کہ ان کو ان کی مجلس اور صحبت میں وہ کچھ ملتا تھا، جو اصلاح حال و تربیت باطنی میں مدد و معاون تھا، نفس اور شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہوتا، امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادہ نے ایک مرتبہ اپنے والد ماجد سے اس بات کی

شکایت کی کہ وہ محض ایسے لوگوں کی مجالس وعظ و تذکیر میں شریک ہوتے ہیں، جو علم میں ان سے فروتر، اور ان کے سامنے زانوے تلمذ کرنے کے مستحق ہیں، اس سے ان کو شرم ہوتی ہے اور بعض مرتبہ لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، امام عالی تبار نے فرمایا: "یا بنیّ إنما یجلس المرء حیث یجد صلاح قلبه" بیٹا آدمی وہیں بیٹھتا ہے، جہاں اپنے قلب کا نفع دیکھتا ہے" باوجود روزافزوں اور عام فساد کے کوئی زمانہ بھی ایسے ربّانی علماء اور اہل قلوب سے (اگرچہ ان کا وجود کسی دور میں کثیر اور کسی دور میں قلیل رہا ہے) خالی نہیں رہا لیکن جس کو کسی سبب سے ایسی صحبت نہ مل سکی ہو وہ اپنے نفس اور باطنی حالات پر خصوصی توجہ دے، اور ایک صاحب بصیرت نقاد یا غیر جانبدار حکم یا اتالیق بن کر اس کا جائزہ لیتا رہے، اور اپنی روحانی بیماریوں اور کمزوریوں سے واقف ہونے کی کوشش کرے، ارشاد قرآنی ہے:۔

بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ○	بلکہ انسان آپ اپنا گواہ ہے، اگرچہ
وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ○ (القیامہ ۱۴۔۱۵)	عذر و معذرت کرتا رہے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ انشاء اللہ اپنے اندرون میں پائی جانے والی اخلاقی کمزوریوں اور ان گہری خندقوں اور دلدلوں سے واقف ہو جائیگا (جہاں عرصہ سے پانی جمع ہو رہا ہے اور اس کی عفونت حیات انسانی یا معاشرہ میں پھیل رہی ہے) پھر کتاب و سنت اور اس امت کے ربانی علماء اور حاذق مربیوں کے تجربات اور ہدایات کی روشنی میں ان کے علاج کی فکر کرے، علماء اسلام نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے، اور ہزارہا ہزار مسلمانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے، مثال کے طور پر، امام غزالیؒ[1] کی "احیاء العلوم"

---

[1] ملاحظہ ہو احیاء العلوم" کی فصل ربع المہلکات" یا ابن قدامہ مقدسیؒ کی مختصر منہاج القاصدین" کا باب "ریاضۃ النفس و تہذیب الخلق و معالجۃ امراض القلب"

علامہ ابن جوزیؒ[1] کی "تلبیس ابلیس" اور علامہ ابن قیمؒ کی اغاثۃ اللھفان فی مکاید الشیطان"[2] اور "مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد وایاک نستعین" علامہ ابن رجبؒ کی "جامع العلوم والحکم، شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم" حضرت سید احمد شہیدؒ کی "صراط مستقیم" حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی "تربیۃ السالک" کے مطالعہ کا خاص طور پر مشورہ دیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں ذکر و دعا کی کثرت، اور ان خطرناک روحانی امراض کے مہلک نتائج سے اندیشہ و خوف اور اپنے نفس پر بے اعتمادی اور اس سے بے اطمنانی، غفلت اور غافلوں اور روحانی و قلبی امراض میں گرفتار، نفسانی تاویلات اور شیطانی مکر و فریب کے دھوکہ میں مبتلا لوگوں کی صحبت سے اجتناب مفید و معاون ہوگا، خدا تعالٰے کا ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۔ (الزخرف-۳۶)	اور جو کوئی خدا کی یاد سے آنکھیں بند کرے (یعنی تغافل کرے) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔

عقائد کی تصحیح، عبادات اور ممکنہ تزکیۂ نفس اور رذائل اخلاق سے اس کی حفاظت کی تکمیل کے بعد، اپنی پوری زندگی، صبح و شام، اخلاق و معاملات اور امکانی حد تک عادات و شمائل میں بھی سیرت نبوی کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے، زندگی کے لئے اس کو مشعلِ راہ، تمام اعمال اور حرکات و سکنات میں اسوہ و نمونہ بنانا چاہیئے، اور

---

[1] مثال کے طور پر "تلبیس ابلیس" کا چھٹا، آٹھواں اور بارھواں باب دیکھئے۔

[2] مثال کے طور پر باب "مکاید الشیطان" کی تیرھویں فصل دیکھئے۔

مقدور بھر اس پر عمل کرنے اور اس کے اتباع کی کوشش کرنا چاہیئے تاکہ خدا تعالیٰ کے اس فرمان و وعدہ سے کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب ہو:-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (آل عمران - ۳۱)	(اے پیغمبر لوگوں سے) کہدو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

۵۔ ارکان ثلثہ[1] (نماز، روزہ، زکوٰۃ) کے ضروری دینی احکام و مسائل، حلال و حرام، جائز و ناجائز، فرائض واجبات و سنن، صحیح و فاسد معاملات اور حدود شرعیہ سے واقفیت کی بھی ضرورت ہے، خاص طور پر جو پیشہ یا مشغلۂ زندگی اختیار کیا ہے، اس سے متعلق احکام شرعیہ کیا ہیں، ان سے واقف ہونا اور ان پر عمل کرنا ایک خدا ترس، فرض شناس اور آخرت کی فکر رکھنے والے مسلمان کے لئے ناگزیر ہے، اس کے لئے فقہ و مسائل کی کوئی معتبر کتاب جو معتبر و متبحر عالم حقانی کی تصنیف ہو، اور اپنے زمانہ کے قابل اعتبار علماء اس کو مستند سمجھتے ہوں، مطالعہ میں رکھنے کی ضرورت ہے۔

۶۔ ہم میں سے بہت سے لوگ صحیح احادیث میں وارد وضوء، مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے، بیت الخلاء جانے اور وہاں سے آنے، سونے اور جاگنے کے وقت کی دعائیں، صبح و شام کے اذکار اور سفر شروع کرنے اور سفر سے واپس آنے کی دعاؤں کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن اس کا خدشہ ہے کہ یہ اہتمام ان کے فضائل، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان پر جس ثواب کا ذکر فرمایا ہے، اور خدا تعالیٰ کے ہاں ان کی جو قدر و قیمت اور مقام ہے،

---

[1] حج کے مسائل کثیر و دقیق اور علمی ہیں، ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا حج کے بغیر عام مسلمانوں کے لئے دشوار ہے۔

اور آخرت میں ان کے جو فوائد ہیں اس کے استحضار کے بغیر ہو اور غفلت و بے توجہی میں یا بطور عادت یا (جدید تعبیر کے مطابق) ٹیپ ریکارڈر کے طریقہ پر یہ سارے کام ہو رہے ہوں بعض عبادتوں کے بارے میں جن کا مشروع عبادت یا فرض و واجب ہونا سب کو معلوم ہے، خاص طور پر یہ شرط بھی ذکر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر جس اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا اس کی لالچ اور اس پر یقین کے ساتھ عمل کیا گیا ہو، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔

من صام رمضان إيماناً واحتساباً غُفِرله ما تقدم من ذنبه۔	جو خدا کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اور ثواب کی امید میں رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔
ومن قام ليلة القدر إيماناً واحتساباً غفرله ما تقدم من ذنبه۔	اور جو خدا کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور ثواب کی امید میں شب قدر میں عبادت کرے اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

لیکن ہم میں سے بہت سے لوگ اس اہم صفت اور اس شرط کا جو عبادت اور عادت کے درمیان فرق کرتی ہے، زیادہ خیال نہیں رکھتے، جس کا نتیجہ ہے کہ بہت سی عبادات جن میں ارکان اسلام نماز، زکوٰۃ، اور روزہ، و حج بھی ہیں، ایک لگے بندھے طریقہ (ROUTINE) اور عادت بن کر رہ گئے ہیں، جو روح سے خالی اور "ایمان و احتساب"[1] کی کیفیت سے محروم ہیں۔

---

[1] ایمان و احتساب کی شرح بخاری شریف کی حدیث میں آئی ہے، جو بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص انھوں نے نقل کی ہے، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: "چالیس اعمال ہیں، (باقی ۲۲۳ پر)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اس امت کے صلحاء و ربانی علماء اور عوام الناس کے درمیان بڑا فرق انھیں فضائل کے استحضار، اور ان اعمال اور اذکار و اوراد کے اندر ایسی ایمان و یقین کی کیفیات، جو ذہن و دماغ پر چھا جائیں، اور اس شوق و ذوق کے جو دل کی گہرائیوں سے پھوٹا پڑتا ہو اور خدا تعالیٰ کے ہاں ان کی قدر و قیمت، مقام و اہمیت کے عمیق احساس کے ساتھ ادائیگی اور اہتمام سے تھا، مثلاً جب وہ وضو کرتے، جو دن و رات میں بار بار ہوتا ہے، اور ہم سے بہت سوں کی زندگی میں وہ ایک روٹین، اور مشینی عمل ہو گیا ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیتے :-

اذا توضأ العبد المسلم أو المومن	جب مسلمان یا مومن بندہ وضو کرتا ہے
فغسل وجهه خرجت من وجهه	پھر اپنا چہرہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ
كل خطيئة نظر اليها بعينيه مع	یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے چہرہ
الماء اومع آخر قطر الماء او نحو هذا	سے وہ گناہ جھڑ جاتا ہے جو اس نے اپنی آنکھ
واذا غسل يديه خرجت من يديه	سے کیا تھا، اور جب اپنا ہاتھ دھوتا ہے
كل خطيئة بطشتها يداه مع الماء	تو پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ
أومع آخر قطر الماء حتى يخرج	کے ساتھ وہ گناہ جھڑ جاتا ہے جو ہاتھ سے
نقيا من الذنوب[1] .	کیا تھا، یہاں تک کہ وہ گناہوں سے
	صاف و پاک ہو کر نکلتا ہے .

(باقی ص۲۲۲ کا) جن میں سب سے اعلیٰ عمل کسی کو مدد کی نیت سے بکری دینا ہے، جو شخص بھی ان میں سے کوئی عمل ان کے ثواب کی امید اور ان پر اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق کے ساتھ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ [1] ترمذی شریف ۔ باب ما جاء فی فضل الطہور۔

وہ رسول اللہ۔ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کی بتائی ہوئی خبروں پر ایسا یقین رکھتے جیسے اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہوں، اور اسی موعود ثواب کی حرص اور شوق میں وہ کام انجام دیتے ان کا یہی حال اس وقت ہوتا تھا جب وہ کسی مسلمان بھائی سے مسکرا کر ملتے، اور خوشی و بشاشت کا اظہار کرتے یہی حال اپنی تجارتوں، پیشوں اور زندگی کے تمام کاموں میں ملتا، وہ جو کام بھی کرتے وہ اسی اجر و ثواب اور رضائے الہٰی کی حرص اور شوق میں کرتے، لہذا ان کی عادتیں، عبادتیں بن جاتیں، اور عبادتیں سب طاعتیں ہو جاتیں، اگر اس استحضار کا ہم اہتمام کریں، اور ہماری عبادات اذکار و اوراد، ایمان و احتساب کی کیفیات سے لبریز اور اپنی روح و حقیقت سے بھرپور ہوں تو جو کام ہم کرتے رہے ہیں، اور بچپن سے ہم جن کے عادی اور خوگر بن گئے ہیں، وہ استحضار و احتساب کی کیفیت کے ساتھ کریں گے تو کوئی اور ہی اثر اور نورانیت پیدا کریں گے، اور ہم اپنی زندگی میں ان کا کھلا ہوا اثر محسوس کریں گے، یہ بات (ایمان و احتساب) صرف عبادات کے ساتھ مخصوص نہیں، رزق حلال کے حصول اور ذرائع معاش، ملازمت، تجارت، زراعت، یا دوسرے حرفوں اور پیشوں میں بھی ہماری نیت رضائے الہٰی کی ہونی چاہیئے، یہی دراصل اس صحیح حدیث کا مفہوم ہے، جو بعض محدثین کے نزدیک درجۂ تواتر و شہرت تک پہونچی ہوئی ہے، اور جس سے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی عظیم کتاب کا آغاز کیا ہے، وہ حدیث نیت ہے:۔

انما الاعمال بالنیات و انما لکل امری ما نوی۔ الخ	اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی۔

یہ ان احادیث میں سے ایک حدیث ہے جن پر دین کی اساس و بنیاد ہے، امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ "یہ حدیث ایک تہائی علم ہے، اور فقہ کے ستّر ابواب سے اس کا تعلق ہے"

بعثت محمدی۔ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام۔ کا عظیم اور ناقابل فراموش احسان اور گرامی قدر تحفہ اور اس کا وہ انعام جس کا انسان طالب و متجسس ہے، اور جس کو شارع علیہ السلام نے ایک منفرد اور سادہ لیکن نہایت بلیغ و عمیق لفظ "نیت" سے ادا کیا ہے، ارشاد ہے:۔

انما الاعمال بالنیات وانما	اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، اور
لکل امرئ مانوی۔	ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس کی نیت ہے۔

لہذا ہر وہ عمل جس کو انسان صرف رضائے الٰہی اور جذبۂ اخلاص اور طاعت و فرمانبرداری کے ساتھ انجام دے، وہ قرب الٰہی، اور یقین و ایمان کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب تک پہونچنے کا ذریعہ ہے، اور وہ دین خالص ہے، جو ہر شائبہ سے پاک ہے، خواہ وہ عمل راہ خدا میں جہاد و قتال ہو، یا حکومت و انتظام، یا دنیا کی نعمتوں سے استفادہ ہو یا نفس کے جائز تقاضوں کی تکمیل، یا رزق حلال و ملازمت کی کوشش ہو، یا جائز تفریح طبع کا سامان، یا عائلی اور ازدواجی زندگی سے لطف اندوزی ہو، اس کے برعکس ہر وہ عبادت یا دینی خدمت دنیاداری سمجھی جائے گی، جو رضائے الٰہی کی طلب خداتعالیٰ کے اوامر و نواہی پر ایمان اور ان کی تعمیل سے خالی ہو اور غفلت و آخرت فراموشی کی دبیز پردے اس پر پڑے ہوں، خواہ وہ عمل فرض نماز، ہجرت و جہاد، ذکر و تسبیح اور راہ خدا میں شہادت ہی کیوں نہ ہو، ایسے عمل کا کرنے والا ہر شخص خواہ عالم و مجاہد ہو یا داعی و مبلغ اس کو ثواب سے محرومی کا سامنا کرنا ہوگا، بلکہ خطرہ ہے کہ یہ اعمال اور خدمات اس کے لئے وبال اور اس کے اور خدا کے درمیان حجاب نہ بن جائیں۔[1]

---

[1] کتب حدیث دلائل و شواہد سے اس کی تائید میں بھری ہوئی ہیں، ملاحظہ فرمائیے "ابواب اخلاص، نیت اور ایمان واحتساب"۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار احسانات میں سے ایک عظیم احسان یہ ہے کہ آپؐ نے دین و دنیا کے درمیان کے وسیع خلا کو پُر کر دیا، اور ان دونوں کو جو دو کیمپوں میں بانٹ دیئے گئے تھے، جو نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے جدا تھے، اور ان کے درمیان ایک موٹی سرحدی لکیر اور ایک وسیع خلیج حائل تھی، بلکہ یہ دونوں خانے ایک دوسرے سے متصادم اور دونوں کیمپ باہم متحارب تھے، دونوں میں کھلا تضاد اور شدید رقابت تھی، اور ایک دوسرے سے قطع تعلق اور اعلان جنگ کرنا ضروری تھا، باہم شیر و شکر کر دیا اور وہ الفت و محبت اور مکمل سلامتی و ہم آہنگی کی فضا میں سانس لینے لگے، آپؐ داعیٔ وحدت و اتحاد بھی ہیں، اور "بشیر و نذیر" بھی آپؐ نے دو متحارب گروہوں سے نوع انسانی کو نکال کر ایمان و احتساب، انسانیت پر شفقت و رحمت، اور طلب رضائے الٰہی کے متحد مورچہ پر لا کھڑا کیا، اور ہمیں اس جامع بلیغ و معجز اور ہمہ گیر دعا کی تلقین کی:۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً	اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی
وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ	نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی
النَّارِ ہ	نعمت بخشیو اور دوزخ کے عذاب سے
(البقرہ۔۲۰۱)	محفوظ رکھیو۔

آپؐ نے اعلان فرمایا:۔

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ	میری نماز اور میری عبادت اور میرا
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہ	جینا اور میرا مرنا سب خدا ہی
(الانعام۔۱۶۲)	رب العالمین ہی کے لئے ہے۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن کی زندگی متضاد و متفرق گروہوں کا مجموعہ

نہیں ہے بلکہ یہ ایک وحدت ہے جس پر عبادت و احتساب کی روح چھائی ہوئی اور
خدا کی ذات پر ایمان و یقین اور اس کے احکام کی اطاعت و فرمانبرداری اس کی
رہنما ہے، یہ زندگی تمام شعبوں، جدوجہد کے ہر میدان اور عمل کی تمام قسموں پر محیط
ہے، بشرطیکہ اخلاص، صحیح نیت، اور رضائے الٰہی کی سچی طلب پائی جاتی ہو،
اور انبیائے کرام کے طریقہ پر اس کو انجام دیا گیا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ
کامل و مکمل طور پر رسول وحدت، الفت و یگانگت اور محبت و ہم آہنگی کے
پیغامبر اور بیک وقت "بشیر" و "نذیر" ہیں، آپؐ نے دین و دنیا کے تضاد کے
نظریہ کو ختم کرکے پوری زندگی کو عبادت میں اور پورے روئے زمین کو ایک وسیع
عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا، دنیا کے انسانوں کو متحارب کیمپوں سے نکال کر
حسن عمل، خدمت خلق، حصول رضائے الٰہی کے ایک ہی محاذ پر کھڑا کر دیا، یہاں
بلباس دنیا میں درویش، قبائے شاہی میں فقیر و زاہد، سیف و تسبیح کے جامع، رات
کے عبادت گذار اور دن کے شہسوار نظر آئیں گے، اور ان کو اس میں کسی قسم کا
تضاد محسوس نہیں ہوگا۔[1]

۷۔ مناسب یہ ہے کہ قرآن پاک کا ایک ورد متعین کر لیا جائے جس کی بقدر استطاعت
پابندی کی جائے، کسی بیماری یا شدید مجبوری کے علاوہ اس کو کبھی ترک نہ کیا جائے اور
کلام الٰہی کی تلاوت میں جس کے بارے میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ	اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا
وَلَا مِنْ خَلْفِهِ، تَنْزِيلٌ مِّنْ	ہے نہ پیچھے سے اور دانا اور خوبیوں والے

---

[1] نبی رحمت، ج ۲ ص ۲۳

حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (حٰم السجدہ-۴۲) خدا کی اتاری ہوئی ہے۔

جو وقت اس میں صرف ہو اس کو حاصل عمر اور سعادت و برکت کا سب سے قیمتی وقت سمجھا جائے اور اس وقت ہم اپنے کو خدا تعالیٰ سے بہت قریب سمجھیں، ہمارا رویہ اور اثر پذیری اس پہاڑ سے کم نہ ہو جس کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (الحشر-۲۱)

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے۔

حالانکہ وہ جماد ہے، اور ہم اشرف المخلوقات انسان جس کو خدا تعالیٰ نے ایمان اور قرآنی خطاب کی دولت سے نوازا ہے، اور جس کے بعض افراد کے بارے میں فرمایا ہے:۔

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (الانفال-۲)

اور جب انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

اور فرمایا:۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ (الزمر-۲۳)

خدا نے اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں یعنی کتاب جس کی آیتیں باہم ملتی جلتی ہیں اور دہرائی جاتی ہیں جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم (ہو کر) خدا کی یاد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

سلف صالحین میں قرآن سے استفادہ اور ان کی زندگی میں اس کے اثرات ظاہر ہونے میں جو تفاوت اور ایک دوسرے پر جو امتیاز و فضیلت تھی، وہ محض قرآن کے معانی و مطالب اور مضمرات پر غور کرنے کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ خدا تعالیٰ کے جلال و کمال اور اس کی عظمت و کبریائی، انسانی فہم و ادراک سے اس کلام کی بلندی و اعجاز اور اس کے جمال و دلآویزی، اور چاشنی و لذت کا نتیجہ تھا۔

اس سلسلہ میں دو چیزیں مفید ہیں: (۱) ایک تو قرآن کے فضائل، قرآن کی تلاوت کے فضائل اور اس کے نتیجہ میں جو قرب و رضائے الٰہی، اجر و ثواب اور آخرت میں جو نعمتیں ملیں گی، ان سے واقفیت اور ان کا استحضار و یقین۔

(۲) دوسرے صحابۂ کرام، تابعین، فقہاء و محدثین، علماء ربانی اور اہل اللہ و اولیاء کاملین کی تلاوت، تدبر قرآن، اور قرآن کے ساتھ ان کے ادب و اہتمام کے واقعات کا مطالعہ[1]

یہ بھی بہت مفید اور سود مند ہے، اور تجربہ سے اس کی تائید بھی ہوئی ہے کہ ہم قرآن پاک سے (امکانی حد تک) براہ راست تعلق قائم کریں، اس طرح کہ ہمارے اور کلام اللہ کے درمیان مستقل طور پر کوئی انسانی افہام و تفہیم اور شرح و تفسیر حجاب نہ بن جائے جس پر انحصار کر لیا جائے، اور جو قرآن سے اس طرح پیوست ہو جائے کہ اس کو الگ کرنا یا اس سے خالی الذہن ہونا مشکل ہو جائے اور ہم قرآن کا مطالعہ اسی خاص افہام و تفہیم یا تفسیر کی روشنی میں کریں جو بعض علماء اور خاص طور پر متاخرین علماء نے پیش کی ہے، اور اس کے عکس اور

---

[1] اس سلسلہ میں خاص طور پر حافظ محمد بن نصر مروزی بغدادی کی، جو امام احمد کے کبار تلامذہ میں ہیں، کتاب "قیام اللیل" کا مطالعہ بہت مفید ہوگا، اردو داں حضرات کے لئے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "فضائل قرآن" کا مطالعہ کافی ہے۔

سائے، اس کے خاص میلانات اور رجحانات، اور جدید حالات و ماحول کے اثرات قرآن کے جمال حقیقی، اس کی بلندی و اعجاز اور اس کی اصلیت و نکھار کو متاثر کرنے لگیں جس طرح تناور اور گھنے درختوں کے صاف و شفاف چشموں پر سائے پڑتے ہیں، اور نتیجتاً قرآن کے جلال و جمال سے تاثر کے ساتھ ـ لاشعوری طور پر ـ قاری کسی خاص تفسیر ـ مفسر کی شخصیت اور مطالب قرآنی کی شرح و تفسیر پر اس کی قدرت سے اسی درجہ متاثر ہوتا چلا جائے۔

اس قاعدہ کلیہ سے وہ تفسیریں مستثنی ہیں، جو صحیح احادیث ہیں رسول اللہ ـ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ـ یا صحابہ کرام اور ائمہ اسلام سے قرآن کے بعض مفردات اور مشکل مقامات کی شرح میں منقول ہیں، اسی طرح وہ لغات و معاجم قرآن، اور کتب تفسیر بھی مستثنی ہیں جن کی ضرورت قرآن کا عمیق علمی مطالعہ کرنے والے، اور خاص طور پر عجمی لوگوں کو پڑتی ہے، قرآن کی تلاوت، اور اس کی حلاوت و چاشنی محسوس کرنے کی پوری خشوع و خضوع، عظمت و احترام اور صاحب "کلام" کی صفات کے استحضار کے ساتھ کوشش کرنی چاہئے، مذکورۃ الصدر قاعدہ سے وہ لوگ بھی مستثنی ہیں جو فن تفسیر کے اصحاب اختصاص علماء ہیں، یا تفسیر کے موضوع پر تصنیف و تالیف، یا تدریس اور بحث و تحقیق کا کام کرتے ہیں، یا جن کو اس کی ضرورت ہو کہ تفسیر کے تفصیلی مباحث کا مطالعہ کریں، اور اس کی گہرائیوں میں اتریں، بہرحال ہر مسلمان اور ہر قاری قرآن کو نہ اس کی ضرورت نہ گنجائش۔

۸ ـ حضور اکرم ـ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ـ سے قلبی تعلق و رابطہ مضبوط کرنے آپ کی محبت میں اضافہ کرنے، اور آپ کی اقتداء و اتباع کی خواہش کی تکمیل کے لئے حدیث شریف کی کتابوں اور ان کتابوں کا مطالعہ، مذاکرہ اور ان کے ساتھ اشتغال جو شمائل نبوی اور سیرت طیبہ کے موضوع پر لکھی گئی ہیں، یہ قاعدہ ہے کہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کی

رٹ لگاتا ہے' اس کی یاد میں رہتا ہے' اور جو شخص کسی کا کثرت سے ذکر کرتا ہے' اس کے حالات کی تلاش و جستجو میں رہتا ہے' اس کو بھی محبت سے حصۂ وافر ملتا ہے' اسی طرح ان اہل دل اور اہل محبت کے حالات و واقعات کا مطالعہ بھی مفید ہے جن کو رسول اللہ۔ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ کے "عشق" سے حصۂ وافر ملا ہے' ایسے عشاق و محبین کے حالات' ان کے ملفوظات' اور ان کے اشعار کا مطالعہ محبت و عشق کے پیدا کرنے میں عجب اثر رکھتا ہے' اور اگر تخم محبت موجود ہے تو اس کی پرورش اور نشو و نما میں ممد و معاون ہوتا ہے [1]۔

اس طرح کثرت درود بھی بہت مفید ہے' درود کی بڑی تاکید اور قرآن پاک میں اس کی بڑی ترغیب آئی ہے' ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى	خدا اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود
النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا	بھیجتے ہیں' مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام
عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (الاحزاب ۵۶)	بھیجا کرو۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

---

[1] اس سلسلہ میں عربی دانوں کے لئے قاضی عیاض کی "الشفا فی حقوق المصطفٰے" اور ابن قیمؒ کی "جلاء الافہام" کا مطالعہ مفید ہوگا' اردو میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کی خطبات مدراس' "قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری کی "رحمۃ للعالمین" مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی "النبی الخاتم" مدینہ طیبہ اور مسجد نبوی کے شوق و اشتیاق کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں' ان کا مطالعہ بھی شوق انگیز اور محبت خیز ہوگا' مثلاً مصنف کی کتاب "کاروان مدینہ" ان نعتیہ قصائد اور اشعار کا پڑھنا' جو غلو و مبالغہ' اور ان تمام خیالات سے پاک ہوں جو شرک تک لیجاتے ہیں' اور جن سے رسول اللہ۔ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ نے منع فرمایا ہے' بہت اثر رکھتا ہے' مثلاً جامی' قدسی کا فارسی کلام' محسن کاکوروی' اقبال' اور ظفر علی خاں کا نعتیہ کلام۔

من صلی علیّ صلاۃ صلی اللہ علیہ بہا عشراً۔ (مسلم شریف)	جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھتا، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتے ہیں۔

اور فرمایا:۔

ان اولی الناس بی یوم القیامۃ اکثرھم علیّ صلاۃ۔ (ترمذی شریف)	قیامت کے دن سب سے زیادہ مجھ سے قریب وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود پڑھتا تھا۔

اور حضرت ابی بن کعبؓ نے جب دریافت کیا کہ (اپنے تمام اوراد کے بدلہ) آپؐ پر صرف درود ہی پڑھا کروں؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں تب تمہاری پریشانیاں دور ہو جائیں گی، اور گناہ بخش دیئے جائیں گے۔[1]

۹۔ بعض خاص اوراد و اذکار کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے، جن سے ہماری زبان تر رہے، اور جن کو ہم اپنا ورد بنالیں اور ان کی پابندی کریں، علاوہ ان اذکار کے جو خاص اوقات اور خاص موقعوں کے لئے گذشتہ باب میں ذکر کئے جا چکے ہیں۔

۱۰۔ صالحین امت، علمائے ربانیین اور مخلص و قناعت شعار ائمۂ علم و دین کی سیرت و سوانح کا مطالعہ کیا جائے جن کے صحت عقائد، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالِ اتباع، کتاب و سنت سے واقفیت نفس و شیطان کے شرور و مکاید سے آگاہی آخرت اور آخرت میں کام آنے والی چیزوں کی فکر پر امت کا اتفاق ہے، علامہ ابن جوزی جو بڑے ناقد محدث ہیں، اپنی کتاب "صید الخاطر" میں لکھتے ہیں:۔

"میں نے دیکھا کہ فقہ اور سماع حدیث میں انہماک و مشغولیت قلب میں صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں، اس کی تدبیر یہی ہے کہ اس کے ساتھ موثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ بھی شامل کیا جائے، حرام و حلال کا خالی علم

---

[1] ترمذی شریف۔

قلب میں رقت پیدا کرنے کے لئے کچھ زیادہ سود مند نہیں، قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے مؤثر احادیث وحکایات سے اور سلف صالحین کے حالات سے، اس لئے کہ ان نقول وروایات کا جو مقصود ہے، وہ ان کو حاصل تھا، احکام پر ان کا عمل شکلی اور ظاہری نہ تھا، بلکہ ان کو ان کا اصلی ذوق اور لب لباب حاصل تھا، اور یہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں، وہ عملی تجربہ اور خود آزمائش کرنے کے بعد ہے، میں نے دیکھا ہے کہ عموماً محدثین اور طلبہ فن حدیث کی ساری توجہ اونچی سند حدیث اور کثرت مرویات کی طرف ہوتی ہے، اسی طرح عام فقہاء کی تمام تر توجہ جدلیات اور حریف کو زیر کرنے والے علم کی طرف ہوتی ہے، بھلا ان چیزوں کے ساتھ قلب میں کیا گداز اور رقت پیدا ہو سکتی ہے، سلف کی ایک جماعت کسی نیک اور بزرگ شخص سے محض اس کے طور طریقہ کو دیکھنے کے لئے ملنے جاتی تھی......

......علم کے استفادہ کے لئے نہیں، اس لئے کہ یہ طور وطریقہ اس کے علم کا اصلی پھل تھا، اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لو اور فقہ وحدیث کی تحصیل میں سلف صالحین اور زہاد امت کی سیرت کا مطالعہ ضرور شامل کرو تاکہ اس سے تمہارے دل میں رقت پیدا ہو۔[1]

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں نے مشاہیر اولیاء سلف وصالحین میں سے ہر ایک کے حالات وواقعات اور ادب وسلوک پر ایک کتاب لکھی ہے، حضرت حسن بصریؒ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، اسی طرح سفیان ثوریؒ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ بشر حافی امام احمد بن حنبلؒ، اور معروف کرخیؒ وغیرہ علماء وزہاد کے حالات پر کتابیں لکھی ہیں،

---

[1] صید الخاطر۔ ج ۲ ص۳۰۲-۳۰۳

مطلوب ومقصود کی توفیق خدا ہی کی طرف سے ملتی ہے، اور کم علمی کے ساتھ صحیح عمل نہیں ہو سکتا، دونوں کی حیثیت سائق (جانوروں کو پیچھے سے ہنکانے والے) اور قائد (ریوڑ کو آگے لے جانے والے) کی ہے اور نفس ان دونوں کے درمیان اپنی جگہ سے ٹلنا نہیں چاہتا، سائق وقائد دونوں ہی سرگرم عمل ہوں، تو منزل طے ہوتی ہے، اور خدا کی پناہ سستی وکاہلی سے[1]۔"

کم از کم یہ درجہ ہے کہ ان گذرے ہوئے اصحاب صدق وصفا، راہ خدا کے داعی ومبلغ (ان کے ہاتھوں پر ملک کے ملک مسلمان ہوئے، اور قوموں کی قومیں داخل اسلام ہوئیں، جن کو دین کی حقیقت اور اس کا لب لباب حاصل تھا) کے متعلق ہمارے دلوں میں کوئی کدورت ذرہ بھر ہو، اور ان کے احسانات کے اعتراف، ان کے لئے دعا، ان کی تعریف، ان کے لئے عذر خواہی، اور ان کی ان لغزشوں سے چشم پوشی جن سے نہ کوئی انسان خالی ہوتا ہے، اور نہ کوئی مجتہد معصوم، ہمارا شعار ہو، اللہ تعالیٰ نیک اخلاق کی مدح وتوصیف کے موقع پر ارشاد فرماتا ہے:۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۝ (الحشر - ۱۰)	اور ان کے لئے بھی جو ان مہاجروں کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کینہ وحسد نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

---

[1] صید الخاطر۔ ج ۲ ص ۳۰۲-۳۰۳

اس آیت کریمہ کا تقاضہ ہے کہ ہم امت کے اسلاف اور ایمان و احسان میں سبقت کرنے والے لوگوں کے بارے میں بہت محتاط رہیں، بلکہ آدابِ قرآنی اور تعلیماتِ نبوی کا یہ بھی تقاضا ہے کہ ہر مسلمان کے متعلق فیصلہ صادر کرنے میں پوری احتیاط ملحوظ رکھی جائے، نہ جلد بازی اور جذباتیت سے کام لیا جائے، نہ اس وقت تک قطعیت و یقین کے ساتھ کوئی بات۔۔ کہی جائے، جب تک معاملہ روز روشن کی طرح عیاں اور جب تک یقینی اور قابلِ اعتماد ذریعوں سے معلوم نہ ہو جائے۔

خدا تعالٰے کا ارشاد ہے:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ	مومنو! اگر کوئی بدکار تمہارے پاس کوئی
فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا	خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو
قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ	(مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان
نٰدِمِیْنَ ۝ (الحجرات۔ ۶)	پہنچا دو پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

۱۱۔ ہم اپنی زندگی میں جن چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں، ان میں دعوت و تبلیغ کا بھی ایک حصہ رکھیں، یہی انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد اولیں تھا، اسی لئے آسمانی کتابوں کا نزول ہوا، اور یہ امت برپا کی گئی، ارشاد خداوندی ہے:۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	(مومنو) جتنی امتیں یعنی قومیں لوگوں
تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ	میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو
عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ط	کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور بُرے
(آل عمران۔ ۱۱۰)	کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر
	ایمان رکھتے ہو۔

اور ارشاد ہے:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى	اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے
الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ	کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے
(آل عمران۔۱۰۴)	منع کرے۔

لیکن اصلاح اور دعوت و تبلیغ کی کوئی خاص شکل یا متعین میدان، یا لگا بندھا کوئی ایسا نظام نہیں جس کو تبدیل کرنا یا اس سے ہٹنا ناجائز ہو، بلکہ یہ ان فرائض دینیہ میں سے ہے جن کا کوئی متعین نظام یا خاص شکل منصوص نہیں ہے[1]۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

اِنِّىْ دَعَوْتُ قَوْمِىْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۙ	میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا۔
(نوح۔۵)	

پھر آگے چل کر کہتے ہیں:۔

ثُمَّ اِنِّىْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ	اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح
لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ (نوح۔۹)	سمجھاتا رہا۔

اور رسول اللہ۔صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔سے فرمایا گیا:۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۔ (النحل۔۱۲۵)	نصیحت سے اپنے پروردگار کے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کا رسالہ "حکم الدعوۃ وصفۃ الدعاۃ" اور "تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب"۔ البتہ جتنا یہ طریقہ اسوۂ نبوی اور صحابۂ کرام کے طرز کے مشابہ ہوگا، اس کا درجہ بلند ہوگا۔

رستے کی طرف بلاؤ۔

اسی طرح یہ بھی ہمارا ایک فریضہ اور دینی ذمہ داری ہے کہ ہماری زندگی (قوموں حکومتوں اور معاشروں کے) پیمانہ پر مسلمانوں کے حالات کی فکر، ان کے غموں اور خوشیوں اور زندگی کے تلخ و شیریں واقعات میں ان کے ساتھ شرکت سے خالی نہ ہو، ہم جہاں بھی ہوں، پورے اسلامی خاندان کے ساتھ امیدوں، آرزوؤں، احساسات اور جذبات میں شریک رہیں، صحیح حدیث میں آیا ہے :۔

مثل المومنین فی تراحمھم وتوادھم	مسلمانوں کی مثال اپنے آپس کی شفقت
وتعاطفھم کمثل الجسد الواحد	الفت و محبت اور ہمدردی میں ایک
اذا اشتکی منه عضو تداعی	جسم کی سی ہے کہ اگر اس کے کسی عضو میں
له سائر الجسد بالسھر والحمی۔	تکلیف ہو تو سارے اعضاء بے خوابی
(بخاری و مسلم)	اور بخار میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

ہیں وہ تلخ و سخت حالات جن میں مسلمان مبتلا ہیں، بے چین رکھیں، جن اذیتوں تکلیفوں اور دین کی بنیاد پر جس بربریت اور سفاکی کا وہ شکار ہیں، وہ ہماری زندگی کو منغص کر دیں، ہماری دینی حمیت اور اسلامی غیرت بیدار ہو، اور ہم اپنا برادرانہ اور اسلامی فریضہ حسب استطاعت انجام دیں، اعلاء کلمۃ اللہ، دین کے غلبہ و سربلندی، مقاصد دین کو بروئے کار لانے، شریعت کا نفاذ اور اس کی راہ سے رکاوٹیں دور کرنے اور اس کی بھرپور کوشش کریں کہ ہم ایک طاقت بن کر ابھریں جس کی ہیبت و رعب اور صلاحیت نفع و ضرر کو کھلے طور پر محسوس کیا جائے، یہاں تک کہ خدا کی زمین میں ہمارے قدم جم جائیں، اور فتنہ و فساد کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے، اور

اطاعت و فرمانبرداری صرف خدائے واحد کی رہ جائے۔

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ	یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد)
الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ	باقی نہ رہے' اور دین سب خدا ہی کا
(الانفال۔۳۹)	ہو جائے۔

۱۲۔ آخری بات جو قلب میں رقت و سوز و گداز پیدا کرنے' دنیائے دنی میں شرعی طور پر مطلوب زہد و اتقا کی زندگی گذارنے' اور آخرت میں کار آمد چیزوں میں مشغولیت' اور لمبی لمبی امیدوں اور آرزوؤں سے پرہیز و حفاظت کے لئے بہت سازگار اور بڑی موثر ہے' وہ زندگی کے مختصر ہونے' دنیا کی بے ثباتی اور موت کا استحضار ہے' رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

اكثروا ذكر هاذم اللذات	لذتوں کو توڑنے والی (چیز) یعنی
يعني الموت[1]۔	موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

مراقبۂ موت میں کچھ وقت صرف کرنا چاہیئے اور حسن خاتمہ کی شدید فکر ہونی چاہیئے' کیونکہ اعتبار حسن خاتمہ ہی کا ہے' اس امت کے تمام اولیائے کاملین' عارفین محققین جن کی استقامت' خدائے تعالےٰ کے ہاں بلندی مرتبہ' اور لوگوں میں مقبولیت کی زبانِ خلق شہادت دیتی رہی' اور جن کے کرامات اور خوارق عادات نقل کئے جاتے رہے' اور جن کی تعریف و توصیف اور اعتراف سے زبانیں تر رہیں' حسن خاتمہ اور ایمان پر موت کی ایسی فکر ان پر غالب و طاری رہتی تھی کہ ــــــ

---

[1] ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

یہی ان کا محور فکر اور ہمہ وقت مشغول رکھنے والا کام تھا، ان کو کبھی اعمال صالحہ پر اور لوگوں کی عقیدت و حسن ظن پر نہ ناز تھا، نہ اپنی سعی و کوشش اور جدوجہد پر اعتماد، اور اس حدیث کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لن ینجی احدا منکم عملہ، قالوا: ولا انت یارسول اللہ؟ قال: ولا أنا الا أن یتغمدنی اللہ برحمتہ سددوا وقاربوا، واغدوا، وروحوا، وشیء من الدلجۃ والقصد القصد تبلغوا[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا، صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ آپ کو بھی، فرمایا، ہاں مجھ کو سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، ٹھیک ٹھیک چلو، اور قریب قریب رہو، صبح بھی چلو، اور شام بھی چلو، اور کچھ رات گئے بھی چلو، اور دیکھو میانہ روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو، منزل تک پہونچ جاؤ گے۔

بہت مناسب ہے کہ حسن خاتمہ کے فکر و اہتمام کی دعوت دینے والی یہ حدیث

---

[1] بخاری شریف کتاب الرقاق۔ باب القصد والمداومۃ علی العمل۔

اس کتاب کا حسن خاتمہ بن جائے "واللہ الموفق للسداد والصواب و إلیہ المرجع والمآب"

روز جمعہ[1] ۳ر شعبان ۱۴۰۲ھ

دائرہ شاہ علم اللہ حسنیؒ۔ رائے بریلی

---

[1] اصل عربی کتاب کی تسوید سے بروز جمعہ ۳ر شعبان ۱۴۰۲ھ فراغت ہوئی، اور کتاب کا اردو ترجمہ یکم رمضان سے شروع ہو کر بروز جمعرات ۱۵ ر رمضان ۱۴۰۲ھ اختتام پذیر ہوا۔

مفکرِ اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

کی چند اہم شاہکار تصنیفات

تاریخ دعوت و عزیمت مکمل (پانچ حصے)
مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
منصب نبوت اور اُس کے عالی مقام حاملین
دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
تذکرہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ
تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں
جب ایمان کی بہار آئی
مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک
مطالعۂ قرآن کے مبادی اصول
سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
خواتین اور دین کی خدمت
کاروان ایمان و عزیمت
سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

نبی رحمت مکمل
حدیث کا بنیادی کردار
معرکۂ ایمان و مادیت
پرانے چراغ مکمل (دو حصے)
ارکان اربعہ
نقوش اقبال
کاروانِ مدینہ
قادیانیت
تعمیر انسانیت
حدیث پاکستان
اصلاحیات
صحبتے با اہل دل
کاروانِ زندگی مکمل
مذہب و تمدن
دستور حیات
حیات عبد الحئیؒ
دو متضاد تصویریں
تحفۂ پاکستان
پاجا سراغ زندگی
عالم عربی کا المیہ

ناشر: تفضیل رَبّی ندوی — فون ۶۲۱۸۱۷ - ۶۲۰۸۹۹

مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد نمبر ۱ کراچی ۱۸